صدرِ پاکستان

جنرل محمد ضیاء الحق

تقاریر

دسواں حصّہ

یکم جنوری — ۳۱ مارچ ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان

جنرل محمد ضیاء الحق

تقاریر

دسواں حصّہ

یکم جنوری — ۳۱ مارچ ۱۹۸۰ء

فہرست

پیش لفظ

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی تقاریر پر مشتمل یہ دسویں جلد جنوری، ۱۹۸۰ء سے مارچ، ۱۹۸۰ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔ افغانستان میں بڑے پیمانے پر روس کی فوجی مداخلت کے فوراً بعد کا یہ زمانہ انتہائی اہم ہے ایک آزاد، خود مختار پڑوسی اسلامی ملک میں ایک لاکھ سے زیادہ غیر ملکی فوجوں کی مداخلت کے سبب نہ صرف پاکستان کے لئے بڑے اور سنگین مسائل پیدا ہوئے بلکہ اس پورے علاقے کے سیاسی جغرافیائی حالات میں بنیادی تبدیلی آئی جس پر پوری دنیا میں اور خصوصاً اسلامی ممالک اور اس علاقے کے دوسرے ممالک میں غیر معمولی تشویش کا اظہار کیا گیا۔ غیر ملکی فوجوں کے خلاف افغان عوام کی تحریک مزاحمت کو کچلنے کے لئے بڑے پیمانے پر طاقت کے استعمال کے نتیجے میں ہزاروں، لاکھوں افغان مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو اپنے گھر بار چھوڑ کر پاکستان کی سرزمین پر پناہ لینی پڑی۔

اس جلد میں صدرِ مملکت کی جو تقاریر شامل ہیں ان میں سے اکثر میں افغان صورتِ

حال، پاکستان پر اس کے اثرات اور نئے مسائل سے نمٹنے کے لئے پاکستان کی کوششوں کا اظہار ہوتا ہے۔ اس زمانے میں برطانیہ، امریکہ اور عوامی جمہوریہ چین کے اعلیٰ وفود نے بھی پاکستان کا دورہ کیا اور افغان صورتِ حال کے پس منظر میں پاکستانی لیڈروں سے مذاکرات کئے۔ اس سلسلے میں ۱۳ جنوری کو پشاور میں اور ۱۵ جنوری کو راولپنڈی میں صدرِ مملکت کی غیر ملکی اخبار نویسوں سے ملاقات اور پریس کانفرنس خاص طور سے اہم ہیں۔

اسی مہینے یعنی ۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں اسلامی وزرائے خارجہ کا غیر معمولی اجلاس ہوا جس میں اسلامی تنظیم کے ممبر تمام ملکوں نے شرکت کی۔ صدر مملکت نے اس اجلاس کے افتتاحی اجلاس میں جو تقریر کی وہ زیر نظر جلد میں شامل ہے اور افغان مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ اسلامی وزرائے خارجہ کا یہ غیر معمولی اجلاس افغان مسئلہ پر پاکستان کے موقف کی تائید و حمایت کا تاریخی مظہر تھا۔

زیر نظر جلد میں صدر مملکت کی ۲۲ تقاریر اور دو پریس کانفرنسوں کا متن مختصر تعارفی نوٹ کے ساتھ شامل ہیں۔ حسب سابق اس جلد کے آخر میں بھی موضوعاتی انڈیکس دیا گیا ہے تاکہ کسی خاص موضوع پر صدرِ مملکت کے خیالات کو کتاب میں آسانی سے تلاش کیا جا سکے۔

(ادارہ)

ہاکی چیمپئنز ٹرافی کے موقع پر خطاب

۱۱ جنوری، ۱۹۸۰ء

۱۱ جنوری ۱۹۸۰ء کو صدر ضیاء الحق نے کراچی میں دوسری پی آئی اے چیمپئنز ٹرافی ہاکی ٹورنامنٹ کا آخری میچ دیکھا اور بعد میں ٹرافی اور میڈل تقسیم کئے۔

گزشتہ سال کی طرح اس بار بھی ٹورنامنٹ پاکستان نے جیتا۔ مغربی جرمنی نے دوسری اور آسٹریلیا نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ سات بہترین ٹیموں کے اس ٹورنامنٹ میں پاکستان نے اپنے تمام چھ میچ جیتے۔ ہاکی سٹیڈیم آف پاکستان میں آسٹروٹرف پر ہونے والا یہ پہلا بین الاقوامی میچ تھا۔

اس موقع پر صدر ضیاء الحق نے مختصر تقریر کرتے ہوئے پاکستانی ٹیم کی کارکردگی کو سراہا اور ٹرافی جیتنے پر اسے مبارکباد دی۔ صدر نے ٹورنامنٹ میں شریک دوسری ٹیموں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اپنی شرکت سے اس ٹورنامنٹ کو کامیاب بنایا۔ پاکستان ہاکی فیڈریشن کے صدر ریٹائرڈ ایئر مارشل ایم۔ نور خان اور بین الاقوامی ہاکی فیڈریشن کے صدر مسٹر رینی فرینک بھی موجود تھے۔ مسٹر رینی فرینک نے بھی مختصر تقریر کی اور پاکستانی ٹیم کو مبارکباد دی۔

صدر مملکت نے ایئر مارشل (ریٹائرڈ) ایم۔ نور خان کو پاکستان میں ہاکی کے لئے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر خصوصی ٹرافی بھی دی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب رینی فرینک صاحب ،

ایئر مارشل نور خان

اور

خواتین و حضرات !

السلام علیکم ۔ مجھے آج کا چیمپئنز ٹرافی کا آخری میچ دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی ہے۔ اس خوشی کی وجہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ پاکستان کے ہاکی کے کھلاڑیوں نے، پاکستان کی ہاکی فیڈریشن نے اور پاکستان کے ہاکی کے کھیل کے منتظمین نے آج نہ صرف اہلِ کراچی کو بلکہ دنیا کو یہ دکھا دیا ہے کہ ہاکی کے فیلڈ میں پاکستان کا اپنا مقام ہے۔ اس مقام کو برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ سب بالعموم اور میں بالخصوص پاکستان میں ان بین الاقوامی مقابلوں کے انعقاد کے سلسلہ میں جناب رینی فرینک نے جو کردار ادا کیا ہے اس کے لئے ان کے شکر گزار ہیں ۔ ایئر مارشل نور خان صاحب کا میں نہ صرف آپ سب کی طرف سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں بلکہ اظہارِ ممنونیت کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے

پاکستان میں ہاکی کو اس قدر مقبول بنایا ہے۔ اس مقبولیت میں پی آئی اے کا اپنا کردار ہے۔

کراچی پاکستان میں پہلا شہر ہے جہاں آسٹروٹرف لگایا گیا ہے اور آج کے اس کھیل کی خوشی میں اور جس طریقے پر اس چیمپئنز ٹرافی کا انتظام کیا گیا ہے، میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ یہاں ہاکی اسٹیڈیم کو بہتر بنایا جائے گا اور اس میں کم از کم پچاس ہزار شائقین کے میچ دیکھنے کی سہولت مہیا کی جائے گی۔ میں یہ بھی اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ انشاء اللہ اگلے مالی سال میں ایک اور آسٹروٹرف لاہور میں بچھایا جائے گا۔

قومیں اپنے کھیلوں کے ذریعے اپنے قومی کردار کا اظہار کرتی ہیں اور ہمارے کھلاڑی بالعموم مسلسل محنت، عجز و انکساری اور سپورٹسمین سپرٹ کا مظاہرہ کریں۔ میں باہر سے آنے والی ٹیموں کا اس بین الاقوامی مقابلے میں شامل ہو کر اسے کامیاب بنانے پر اپنی طرف سے، پاکستان کے شہریوں کی طرف سے اور پاکستان ہاکی فیڈریشن کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ باہر سے آنے والی ٹیموں کا جن میں تمام دنیا کی مشہور ٹیمیں شامل ہیں، یہاں پاکستان میں آنا ہمارے لئے باعثِ فخر ہے۔

آخر میں، مَیں اپنی طرف سے آج کی دونوں ٹیموں پاکستان الیون اور ہالینڈ الیون کو اور اس ٹورنامنٹ میں مقام حاصل کرنے والی دوسری ٹیموں کو اور ان تمام ٹیموں کو جنہوں نے ان مقابلوں میں حصہ لیا، اپنی طرف سے اور پاکستان ہاکی فیڈریشن کی طرف سے مبارک باد دیتا ہوں۔ پاکستان ہاکی ٹیم نے آج جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے، میں اس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اس ہاکی ٹیم کے مظاہرے سے ایک سبق سیکھئے اور وہ سبق یہ ہے کہ جس طریقے سے انہوں نے ہاکی کے میدان میں اپنی بالادستی منوائی ہے، جس طریقے سے انہوں نے یک جہتی کا مظاہرہ کیا ہے، آج کل

کے قومی حالات کے پیشِ نظر پوری قوم میں یک جہتی پیدا کریں۔ آیئے، پوری قوم میں اتفاق پیدا کریں اور پاکستان کو عالمی صورتِ حال کی وجہ سے جو مشکلات ہیں، ان کا سامنا جوانمردی سے کریں۔ شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

منگورہ کے شہریوں سے خطاب

۱۲ جنوری، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق ۱۲ جنوری ۱۹۸۰ء کو صوبہ سرحد کے دو روزہ دورے کے آغاز پر سیدو شریف پہنچے اور مالاکنڈ ڈویژن کے معززین، بلدیاتی اداروں کے چیئرمین، وائس چیئرمین اور شہریوں کے ایک جلسے سے خطاب کیا۔ صدرِ مملکت پی آئی اے کی خصوصی پرواز سے سیدو شریف پہنچے تھے جس سے اس روٹ پر پی آئی اے کی نئی سروس کا آغاز ہوا۔ اس روٹ پر باقاعدہ پروازوں کا سلسلہ یکم فروری ۱۹۸۰ء سے شروع ہوا۔

نو تعمیر ہوائی اڈے پر صدرِ مملکت کا استقبال گورنر صوبہ سرحد لیفٹیننٹ جنرل فضل حق، مقامی عمائدین اور اعلیٰ فوجی اور سول حکام نے کیا۔ وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان، پی آئی اے کے چیئرمین اور سول ایوی ایشن اتھارٹی کے ڈائریکٹر جنرل بھی صدر کے ہمراہ تھے۔

صدرِ مملکت کے خطاب سے پہلے سوات ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور صدر کو یقین دلایا کہ مالاکنڈ ڈویژن کے لوگ پاکستان کی سلامتی، یک جہتی اور اسلامی نظریے کے تحفظ کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں۔ انہوں نے ملک میں نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ علاقے کے لوگ نظامِ اسلام کے نفاذ میں ہر طرح سے حکومت کا ساتھ دیں گے۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں پاکستان کے اندرونی حالات کے علاوہ بیرونی صورتِ حال، خاص طور سے افغانستان میں روسی فوجی مداخلت سے پیدا ہونے والی صورتِ حال پر تفصیل سے اظہارِ خیال کیا اور پاکستان کی پالیسی کی وضاحت کی۔ انہوں نے نظام اسلام کے نفاذ کے لئے حکومت کی کوششوں کی ضرورت اور اہمیت پر بھی روشنی ڈالی۔

صدرِ مملکت نے منگورہ میونسپل کمیٹی کے لئے دس لاکھ روپے کی خصوصی گرانٹ کا اعلان بھی کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب جنرل فضلِ حق صاحب، گورنر صوبہ سرحد،

جناب غلام اسحٰق صاحب،

وفاقی حکومت کے نمائندے،

صوبائی حکومت کے مشیر اور کارندے اور

اہالیان مالاکنڈ ڈویژن!

السلام علیکم۔ میرے لئے یہ بات باعثِ فخر ہے کہ مجھے آج آپ سے مخاطب ہونے کا موقع نصیب ہوا۔ یہاں آنے کی تین وجوہات ہیں اور میں آپ سے کوئی خاص چیز چُھپانا نہیں چاہتا، کیونکہ یہ کھلی بات ہے۔ سب سے پہلی یہ کہ بہت عرصے سے میری اپنی یہ خواہش تھی اور جنرل فضلِ حق صاحب بھی بہت مجبور کر رہے تھے کہ میں جہاں صوبہ سرحد کے باقی حصّوں میں جا چکا ہوں، وہاں مالاکنڈ ڈویژن کا دورہ نہیں کر سکا ہوں حالانکہ پچھلے سال جب میں صوبہ سرحد کا دورہ کر رہا تھا تو اس موقع پر ہم نے اس امر پر غور وخوض کیا تھا کہ صوبہ سرحد میں ترقیاتی اداروں کو یا صنعتی اداروں کو کس طریقے سے ترقی دی

جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا جو قدم اٹھایا گیا تھا وہ یہ تھا کہ ہم نے مالا کنڈ ایجنسی کو Tax Free Zone قرار دیا تھا۔ آج اس کی صورت بھی وضع کرنی ہے، لیکن جس چیز کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس پورے ڈویژن کو ہم نے Tax Holiday Zone قرار دیا ہے۔ یہاں جو نئی صنعتیں قائم ہوں، ان پر کوئی ٹیکس نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود مجھے یہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پچھلے ایک سال کے اندر کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ دوسری بات جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں اور جو میرے یہاں آج آنے کی وجہ بھی ہے، وہ یہ کہ صوبہ سرحد میں رسل ورسائل کے نظام میں کچھ اضافہ ہو رہا ہے۔ کچھ سڑکیں بن رہی ہیں اور آج آپ نے اپنے سپاسنامے میں بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ صوبہ سرحد اور خاص طور پر مالاکنڈ ڈویژن میں ہوائی سروس کو فروغ دیا جائے۔ آج مجھے یہ کہنے میں بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ جناب جنرل فضل حق صاحب کی بہت زیادہ توجہ سے اور میرے دستِ راست اور رفیق، جناب غلام اسحٰق صاحب، وزیر خزانہ، جن کی کوششوں سے آج ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ سوات میں ایک ہوائی اڈہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ ہوائی سروس کی افتتاحی پرواز میں، میں نے خود حصّہ لیا ہے اور یکم فروری سے یہاں باقاعدہ پی۔ آئی۔ اے کی سروس شروع ہو گی۔ یہاں آنے کی تیسری وجہ جس کا میں ذکر کر رہا تھا وہ یہ ہے کہ میری یہ دلی تمنا تھی کہ میں ہر جگہ اگر ضلع کی سطح پر نہیں تو کم از کم ڈویژن کی سطح پر جو نئے نمائندے چُنے گئے ہیں، اُن سے ملوں۔ میں اللہ تعالیٰ کا ممنون ہوں، یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے آج مجھے موقع دیا کہ میں آپ سے مخاطب ہو سکوں۔ میرے آج کے اس خطاب کو چھوٹی سی تقریر کہہ لیجئے یا اسے سلسلۂ گفتگو سمجھئے کیونکہ جس وقت میں اپنی یہ چھوٹی سی تقریر کر لوں گا تو پھر آپ سے درخواست کروں گا کہ اگر آپ کے کچھ اور مسائل ہوں یا آپ کسی پہلو پر اپنا نقطۂ نظر واضح کرنا چاہیں تو بڑے شوق سے کیجئے کیونکہ ایسے موقعوں کو خصوصی طور پر ہمیں ایسا رنگ نہیں دینا چاہیئے یا اس طریقے سے اس کو منعقد نہیں کرنا چاہیئے کہ بس معلوم ہو کہ

جیسے ایک بہت ہی خاص قسم کی رسمی تقریب ہے جس میں مہمانِ خصوصی آئے ، انہوں نے کچھ کلمات کہے اور چلے گئے ۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ جو تقریب ہے ، اس میں مجھ میں اور آپ میں اور آپ کے ضلع کے یا آپ کے صوبے کے جو اور بڑے بڑے افسر موجود ہیں ، ہم آہنگی پیدا ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے ساتھ جنرل فضلِ حق صاحب کا رابطہ بہت قریبی ہے ۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے مشیر اور ان کے صوبے کے دوسرے ملازمین بھی آپ کے ساتھ رابطہ قائم کیے ہوئے ہیں ، لیکن ایسے موقعوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ میرا بھی فرض ہے کہ میں آپ کی شکایات اور آپ کی وضاحت سنوں اور آپ کا بھی فرض ہے کہ وہ تمام باتیں جن کا ذکر آپ ضروری سمجھتے ہوں ، بیان کیجئے ۔

سب سے پہلے میں اپنی اس تقریر میں دو پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں ۔سب سے پہلے اندرونی معاملات کا ذکر کروں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اندرونِ ملک ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ جہاں تک امن وامان کی صورتِ حال ہے ، اس پر پورا کنٹرول ہے۔ اور امن وامان کی صورت حال کے ساتھ ساتھ معیشت کا جو پہلو ہے ، وہ قابلِ ذکر ہے۔

آج سے چند مہینے پہلے لوگوں کو اس کے متعلق بہت سے شکوک وشبہات تھے۔ ان کا خیال تھا کہ آیا موجودہ حکومت اس صورتِ حال پر قابو پا سکے گی یا نہیں ؛ اس امر کا ذکر کرتے ہوئے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ اس کام کی تکمیل میں موجودہ حکومت کے ساتھ ساتھ صوبائی حکومتوں کا بہت بڑا حصہ ہے ، اور آج کل کی جو صوبائی حکومتیں ہیں وہ گورنر صاحبان کے تحت ان کی اپنی کارکردگی Efficiency ، ان کے اپنے کام اور اس کے براہِ راست ردِ عمل کا نتیجہ ہیں Direct ۔ میں جناب گورنر صوبہ سرحد اور ان کی حکومت کو بقیہ تمام صوبوں کی طرح مبارک باد پیش کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے اس صوبے میں اور خصوصاً بعض پہلوؤں میں ، جن کا اس صوبے کے ساتھ تعلق ہے ، معیشت کو نہ صرف ضروری استحکام عطا کیا ہے بلکہ اس میں ترقی کی ہے ۔ دوسرا شخص اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ وزیرِ خزانہ جناب غلام اسحٰق صاحب ہیں

جن کی انتھک محنتوں سے ہم آج اِس قابل ہوئے ہیں کہ نہ صرف اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں بلکہ آئندہ کے حالات بھی بہت خوشگوار نظر آ رہے ہیں۔ تو میں یہ کہنے میں بجا طور پر فخر محسوس کروں گا کہ آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملک میں نہ صرف امن و امان قائم ہے بلکہ معیشت بھی ترقی کر رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ ہم نے اس چیز پر پورا قابو پالیا ہے، لیکن اگر آپ دیکھیں گے تو آج جہاں قیمتوں میں اگر کمی نہیں ہوئی ہے تو کم از کم چیزوں کی قیمتوں میں کچھ استحکام پیدا ہوا ہے۔ عوام کا بھی اس بات سے بہت زیادہ تعلق ہے کیونکہ اگر آپ ضروری اشیاء کے استعمال میں اضافہ کریں گے تو لازمی بات ہے کہ قیمتیں بڑھیں گی، لیکن اگر ملک کے لوگ اس بات کی طرف توجہ دیں گے کہ ملک کی معیشت کے استحکام کے لئے قیمتوں کے کنٹرول سے جتنا حکومت کا تعلق ہے اس سے زیادہ عوام کا بھی تعلق ہے۔

آپ عوام کے نمائندے منتخب ہوئے۔ میں آپ کو اس بات کی بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ جس طریقے سے قوم نے اس امر میں کوشش کی ہے کہ ہم اپنی کمر باندھ لیں اور ملک کو ترقی دینے کے لئے اور ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہوں تو اس کام میں آپ کا بھی بہت بڑا حصّہ ہے۔

اس کے ساتھ میں ایک سب سے ضروری امر کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جو بنیادی امر ہے اور جس کا تعلق اسلام کے ساتھ ہے۔ میں آج سے نہیں، کافی عرصے سے یہ کہتا چلا آرہا ہوں اور اس بات میں مجھے آپ کا پورا تعاون بھی حاصل ہے، وہ یہ کہ پاکستان کو صحیح طور پر اسلام کا ایک قلعہ بنائیں۔ اس کے لئے نہ صرف ضیاء الحق کا یا آپ کا یہ کہنا ضروری ہے کہ ہم کلمہ گو ہیں اور نہ یہ کہنا کافی ہے کہ ہم اس ملک میں اسلام لانا چاہتے ہیں بلکہ یہاں تک بھی کہنا میرے خیال میں کافی نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہم ایک اسلامی مملکت ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم تاریخ کو کسی طرح بھی نہیں بھلا سکتے۔

تاریخی پہلو یہ ہے کہ پاکستان کی تشکیل میں جہاں صوبہ سرحد کا ایک خاص کردار شامل ہے وہاں اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس زمانے کے برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے اس بات کا فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت چاہیئے جس میں ہم بطور مسلمان آزاد باشندوں کے طریقے سے اپنے دین پر کاربند رہ کر اس ملک میں ایک ایسا نظام چلائیں جو صحیح معنوں میں اسلامی نظام ہو۔ اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے اور اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے برِصغیر کے مسلمانوں نے اپنی جانی اور مالی قربانی دے کر یہ ملک حاصل کیا تھا اور اس ملک کا سب سے بڑا جو اصول تھا، وہ یہی تھا کہ یہ ایک اسلامی ملک بنے۔ اس لحاظ سے پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔

نظریاتی ملکوں کے لیے دو باتوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔ جب تک یہ دو باتیں نہیں ہوں گی، نظریاتی ملک کبھی مستحکم نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلے، نظریاتی ملک کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے نظریے پر مضبوطی سے قائم رہے۔ لوگوں نے کہا ہے :

پاکستان کا مطلب کیا ؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

اس کے علاوہ ہم یہ کہتے آرہے ہیں کہ ہم پاکستان میں اسلام لانا چاہتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ گذشتہ ۳۲ برس کے دوران ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک ہم نے سوائے لفّاظی کے اور کوئی ایسا عمل پیش نہیں کیا جس سے ہم اس ملک کو صحیح معنوں میں اسلامی ملک بناسکیں۔

یہ موجودہ حکومت کی سعادت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس میدان میں ہمیں کچھ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ ہم پاکستان میں صحیح معنوں میں نظامِ اسلام رائج کرسکیں اور اس ملک کو اسلامی ملک بناسکیں۔

اس سلسلے میں ہم نے کچھ تھوڑی بہت ترقی کی ہے، لیکن اب بھی میں آپ سے یہ کہنے میں دریغ نہیں محسوس کروں گا کہ اگر آپ حقیقی معنوں میں دیکھیں تو نظامِ اسلام لانے کے لئے

اور اس ملک کو صحیح اسلامی مملکت بنانے کے لئے ابھی بہت سی قربانیاں اور بہت سی کوششیں درکار ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اہالیانِ مالاکنڈ ڈویژن، اہالیانِ سوات، اہالیانِ دیر اور اہالیانِ چترال میری اس کوشش کو بار آور کرنے میں نہ صرف پیش پیش ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے اور صحیح طور پر ایسی جدوجہد کریں گے کہ پاکستان کے اس حصّے میں جو صوبہ سرحد کا ایک بہت اہم حصّہ ہے اور ملک کے اندر اور پاکستان کے ہر حصّے کے اندر اور خاص طور پر اس ڈویژن کے اندر صحیح معنوں میں لوگ اسلام کا نام لیں، اسلام کے اصولوں کے پابند ہوں، اسلام کے قوانین کو اپنائیں اور اپنے عمل اور کردار سے یہ ظاہر کریں کہ ہم سچے مسلمان ہیں۔

میں نظریاتی ملک کا ذکر کر رہا تھا۔ تو نظریاتی ملک کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ سب سے اوّل جو عنصر ہے، وہ نظریہ ہے۔ نظریّے کے متعلق میں نے آپ سے ذکر کر دیا۔ ہمارا نظریہ جو ہے وہ اسلام ہے اور اسلام چند ضروری باتوں کا اعلان کرتا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کریں اور دشمنوں سے باخبر رہیں۔

کیونکہ وہ دشمن، ملک کا دشمن نہیں ہے بلکہ وہ آپ کے نظریّے کا دشمن ہے اور آپ کے قیام کا دشمن ہے۔ جب آپ نے اس طرف نشاندہی کر لی اور اس کی طرف سے آپ نے اپنے بچاؤ کی پوری کوشش کی ہے اور اس پر حملہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے تو پھر نظریاتی ملک کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکتا، لیکن اگر ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز غائب ہے، یعنی اگر نظریہ غائب ہے تو نظریاتی ملک قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر نظریاتی ملک کی اپنے دشمن کی طرف توجہ نہیں ہے تو اس پر کسی نہ کسی وقت ضرور حملہ ہو سکتا ہے۔

آج کل موجودہ حالات میں پاکستان کے معاشرے میں آپ کو مختلف قسم کے عناصر ملیں گے۔ ان عناصر کے اندر ایسے حضرات بھی موجود ہیں جو آج آپ کو یہ کہیں گے کہ پاکستان ایک آزاد حکومت ہے۔ پاکستان کے اندر سیکولرازم ہونے چاہئیں یعنی لادینیت ہونی چاہیئے۔

آپ کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو یہ کہیں گے کہ اسلام تو انسان کا اپنا ذاتی فعل ہے۔ اسلام کے ساتھ ذات کا تعلق ہے، معاشرے کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے انگریزوں کے طرزِ حکومت پر تعلیم حاصل کی ہے اور انگریزوں کے ہی طرزِ حکومت پر قائم ہیں۔ وہ آج بھی یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کو ایک لادینی حکومت ہونا چاہیئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو نظریۂ پاکستان پر یقین نہیں۔ آج بھی آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو یہ کہیں گے کہ پاکستان ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ وہ آپ کو ان خطرات کی طرف توجہ دلائیں گے کہ دیکھئے، جب تک آپ اپنے تمام پڑوسی ممالک کے ساتھ جاکر ہاتھ نہیں ملائیں گے، ان کے گھٹنے نہیں پکڑیں گے، پاکستان قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو نہ صرف اپنے اوپر یقین نہیں ہے بلکہ جنہیں اللہ تعالیٰ کے اوپر بھی یقین نہیں ہے، اور جنہیں اللہ تعالیٰ پر یقین نہیں، لازمی بات ہے کہ وہ نہ میرے ہمدرد ہیں نہ آپ کے ہمدرد ہیں۔ پاکستان میں نظریۂ پاکستان کے علاوہ اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ موجودہ حالات کے تحت اور اس کی طرف توجہ دیتے ہوئے آج ہم اس جگہ پہنچے ہیں اور ہمیں یہ تعین کرنا ہے کہ پاکستان میں کس چیز کی طرف توجہ دی جائے گی اور کس چیز کے خلاف جہاد کیا جائے گا۔ ہمارے لئے سب سے پہلا ضروری امر یہ ہے کہ ہمیں پاکستان میں ایسے عناصر کا جو ملک کے اندر تفریق کا باعث ہیں، جو ملک میں غلط فہمی پیدا کرنا چاہتے ہیں، قلع قمع کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد پاکستان کے اندرونی معاملات میں سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے قومی یک جہتی۔ وہ تمام قومیں خواہ وہ نظریاتی ہوں یا لادینی ہوں، اقوامِ عالم کا تاریخی اصول یہ ہے کہ ایسی تمام قومیں جن میں یک جہتی نہ ہو، جن میں اتفاق نہ ہو، وہ زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتیں۔ آپ تاریخ اسلام دیکھ لیجئے، آپ کو ہر جگہ یہی سبق ملے گا کہ اگر قوم اپنے پیر پر کھڑا ہونا چاہتی ہے، اپنا تحفظ کرنا چاہتی ہے، اپنا دفاع کرنا چاہتی ہے تو ان کے لئے سب سے پہلا جو اصول ہے وہ یہ ہے کہ وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، آپس میں اتفاق قائم کریں، اپنے

درمیان میں تفریق کے جو مواقع ہیں یا جو عناصر ہیں، ان کو علیحدہ کریں۔ قوم کے اندر اتفاق پیدا ہو۔ اسلام کے جھنڈے کے تلے سب متحد ہوں۔ اسی حالت میں آپ ترقی کریں گے۔

اس لئے، آج کل کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم نہ صرف آپس میں اتحاد قائم کریں بلکہ پاکستان کو قائم و دائم رکھنے کے لئے، پاکستان کے تحفظ کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ ہم آپس میں متحد رہیں اور قومی نظریّے کے تحت اپنے آپ کو مسلمان اور صحیح پاکستانی بنائیں تو پھر اللہ تعالیٰ اس میں ہماری مدد کریں گے کیونکہ جو آدمی خود اپنی مدد کرتا ہے، اس کی مدد اللہ تعالیٰ بھی کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اندرونی معاملات کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ موجودہ صورت میں پاکستان ایک انتہائی نازک دور سے گذر رہا ہے۔ آپ پاکستان کے گرد و نواح میں دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایران ہمارا پڑوسی ملک ہے۔ ایران کے ساتھ ہمارے بہت ہی اچھے تعلقات ہیں۔ ایران کے ساتھ ہمارا نہ صرف ایک پڑوسی کے تعلق ہے بلکہ اسلامی ملک ہونے کے ناطے بھی ایک گہرا ربط ہے۔

آج کل ایران میں ایک اسلامی انقلاب آیا ہوا ہے۔ ایران کے پاس تیل کی دولت موجود ہے۔ ایران کی سرحدیں اس وقت پاکستان کے ساتھ ملتی ہیں اور روس کے ساتھ بھی ملتی ہیں۔ اس علاقے میں ایران ایک اہم پوزیشن رکھتا ہے لیکن یہ جو بیس بلین ڈالر کی تیل کی دولت ہے، موجودہ زمانے کے لحاظ سے ایک طرح سے اس کا تحفّظ کر رہی ہے۔ جہاں وہ اسلام کے لئے جہاد کر رہا ہے، جہاں وہ اسلام کے لئے ایک انقلاب لا رہا ہے، وہاں دنیا کی طاقتیں جو ہیں وہ اس وقت دور سے کھڑی یہ دیکھ رہی ہیں کہ ایران کون سا پہلو بدلتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اسے اندرونی استحکام بخشے اور وہاں اسلامی انقلاب کو صحیح معنوں میں کامیاب کرے۔

دوسری طرف آپ دیکھئے! ہمارا پڑوسی ملک افغانستان ہے۔ افغانستان میں آج کیا

ہوا ہے۔ ایک سپر پاور نے دن دہاڑے اس ملک پر قبضہ کر لیا ہے اور یہ بہانہ بنایا ہے کہ اُسے اس ملک کی حکومت نے دعوت دی ہے۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ وہاں لادینیت کا چرچا ہے۔ ایک ملک جہاں ۹۵ سے لے کر ۹۹ فیصد مسلمان بستے ہیں، وہاں آج روس کی فوجیں یہ دکھا رہی ہیں کہ انہیں ملک کے عوام کا تعاون حاصل ہے، ملک کی حکومت کا تعاون حاصل ہے، لیکن اس بات کی جو اصلیت ہے اسے آپ اس طریقے سے دیکھ سکتے ہیں کہ اس وقت پاکستان میں چار لاکھ تیس ہزار سے زیادہ افغان پناہ گزین موجود ہیں۔ اس حقیقت کو دیکھنے کے لئے ہمیں صحیح معنوں میں یہ جائزہ لینا پڑے گا کہ پاکستان کو کس پہلو بیٹھنا ہے۔ افغانستان میں اس وقت جو ردِّعمل ہوا ہے، وہ روس کی مداخلت کے ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو اب یہ دیکھنا ہے کہ صورتِ حال کیا ہے؟ صورتِ حال یہ ہے کہ افغانستان جو ایک Buffer State تھا، آج اس کی سرحدیں نہ صرف سوویت یونین کے ساتھ مل گئی ہیں بلکہ سوویت یونین کی سرحدیں اس وقت طورخم، کوئٹہ اور چمن تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ہمیں اس حقیقت کا جائزہ لیتے ہوئے کسی پشیمانی کا سامنا نہیں ہے، کوئی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ساڑھے سات کروڑ مسلمان عوام جو اپنے آپ کو پاکستانی کہتے ہیں، وہ ہوا کے ایک جھونکے سے ختم نہیں ہو سکتے۔ اگر ہمارے اندر اسلام کا جذبہ قائم ہے، اگر ہمیں اپنے ملک کے ساتھ محبت ہے، اگر ہمیں اللہ تعالیٰ پر یقین ہے اور اپنے ملک پر یقین ہے تو آپ یقین مانیے کہ دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس حقیقت کو سوچنے کے لئے جس امر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں، ہم یہ دیکھیں کہ دنیا کی جو بڑی بڑی طاقتیں ہیں، ان کے اس خطے کے لئے کیا عزائم ہیں۔ خواہ ایک طاقت ہو یا دوسری طاقت ہو یا کوئی اور علاقائی طاقت ہو، پاکستان کی پالیسی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اپنے تمام پڑوسی ملکوں کے ساتھ محبت اور دوستی کا سلوک رکھا جائے۔

اس معاملے میں گزشتہ اڑہائی سال کے اندر موجودہ حکومت نے بہت سی کوششیں کی ہیں۔ خاص طور پر افغانستان کی طرف ہم نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اس میں ہمیں کچھ کامیابی بھی ہوئی، لیکن آج کل موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم سب سے پہلے یہ معلوم کریں کہ حکومتِ افغانستان یا اور کوئی دوسری طاقت، ان کے اس خطے میں کیا عزائم ہیں اور ہمیں ان عزائم کے ساتھ نمٹنے کے لئے کیا پالیسی اختیار کرنی چاہیئے۔ ہمیں اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ بعض بڑی طاقتیں ایسی ہیں جو علاقائی طاقتیں ہیں۔ ان علاقائی طاقتوں کے ساتھ خاص طور پر دشمنی مول لینا بھی کوئی صحیح پالیسی نہیں ہوگی۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا جو اہم ستون ہے وہ چین کے ساتھ ہمارے تعلقات ہیں۔ یہ تعلقات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت مضبوط ہیں۔ چین نے ہمیں ہر آڑے وقت میں یقین دہانی کرائی ہے کہ اگر پاکستان کو کوئی نقصان پہنچا یا اگر پاکستان کو کسی وقت ضرورت پیش ہوئی تو ہم حاضر ہیں۔ ایسے دوستوں کے ساتھ ہماری جو دوستی ہے اسے اور زیادہ بڑھانا چاہیئے۔

اِس وقت تمام طاقتوں کی توجہ پاکستان کی جانب مبذول ہے۔ اس میں تمام بڑی طاقتیں بھی شامل ہیں، تمام علاقائی طاقتیں بھی شامل ہیں۔ ہمارے مشرق میں ہندوستان ہے۔ ہندوستان کے ساتھ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ ہم انہیں اس امر کا یقین دلائیں کہ دیکھئے، پاکستان اب بن چکا ہے۔ پاکستان کی سالمیت نہ صرف پاکستان کے لئے ضروری ہے بلکہ یہ ہندوستان کے لئے بھی فائدے مند ہے۔ پاکستان کی جو مضبوطی اور استحکام ہے، یہ نہ صرف پاکستان کے لئے ضروری ہے بلکہ اس تمام علاقے کے لئے، تمام ممالک کے لئے بھی ضروری ہے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ اگر ہم کسی طریقے سے ہندوستان پر کوئی بات واضح کرنا چاہتے ہیں تو وہ یہی ہے کہ ہم ان کے ساتھ دوستانہ طریقے سے، محبت کے ساتھ اور جس طریقے سے ہمسایہ ممالک کے مابین رسم و رواج ہوتا ہے، اس کے مطابق کارروائی عمل میں لائیں اور دو آزاد حکومتیں ایک

ساتھ As equal form برقرار رہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہندوستان کی نئی حکومت اس طرف توجہ دے گی اور ان کے ساتھ ہمارے تعلقات بہتر ہوں گے۔ لیکن ایک امر کی طرف میں آپ کی جو خاص توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت، کوئی ملک خواہ وہ کمزور ہو یا طاقت ور، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اس وقت تک زندہ رہنے کا حقدار نہیں جب تک کہ وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو جائے کیونکہ کوئی باہر کی طاقت آکر آپ کا بچاؤ نہیں کر سکتی۔

اگر ہم یہ سوچتے ہیں، اگر ہمارا یہ خیال ہے یا وہم ہے کہ اگر پاکستان کی سالمیت کو کوئی نقصان پہنچا تو فلاں آ کے آپ کا بچاؤ کرے گا،" غلط"۔ یا اگر آپ یہ چاہتے ہیں یا آپ کے اندر یہ وہم ہے یا شک ہے کہ پاکستان کو بچانے کے لئے اس وقت ہماری پالیسی اس قسم کی ہونی چاہیئے کہ سب کے ساتھ ہماری دوستی ہو تو اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں۔ اگر آپ کے خیال میں یہ بات ہے یا آپ کے دِل میں یہ وہم ہے کہ پاکستانی سالمیت کے لئے تمام سُپر طاقتوں کو پاکستان کی مدد کرنی چاہیئے تو یہ بھی غلط ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت، کوئی قوم کسی دوسری قوم کی مدد نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ خود اپنے پاؤں پر نہ کھڑی ہو۔

اس لئے میں آپ کے سامنے یہ عرض کروں گا کہ اگر پاکستان کو سالمیت چاہیئے، اگر پاکستان کو استحکام چاہیئے، اگر پاکستان کو اپنا نام اقوام عالم میں قائم کرنا ہے تو ہمیں دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلی تو یہ کہ ہم اپنے نظریۂ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ دوسری یہ کہ آپس میں اتحاد قائم رکھیں، اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہوں، اپنے دفاع کے لئے خود بندوبست کریں۔ اگر یہ جذبہ ہمارے اندر ہے اور جذبۂ قربانی موجود ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستان کی جانب کوئی انگلی بھی نہیں اٹھ سکتی۔ مجھے امید ہے کہ اس علاقے کے عوام جن کی تاریخ سنہری الفاظ میں لکھی گئی، جن کے جرأت مندانہ اقدام نہ صرف (۳۲) بتیس سالہ پاکستان کی تاریخ

کا حصہ ہیں بلکہ آج سے صدیوں پہلے کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ آپ سے میں درخواست کرتا ہوں کہ اپنی تاریخ پر نظر ڈالیئے اور یہ دیکھیئے کہ آپ نے، آپ کے آباؤ اجداد نے اس علاقے کے استحکام کے لئے اور اسلام کے نام پر کیا کیا قربانیاں دیں۔ کیا آپ بھی آئندہ قربانی دینے کے لئے تیار ہیں؟ انشاءاللہ، مجھے امید ہے کہ جن قبائل سے آپ کا تعلق ہے، جن ذرائع سے آپ کا تعلق ہے، جن علاقوں سے آپ کا تعلق ہے، ان علاقوں کی تاریخ کے اوراق کو قائم رکھنے کے لئے، اپنی تاریخی روایات کو قائم رکھنے کے لئے انشاءاللہ آپ بھی ایسے ہی سپوت ثابت ہوں گے جس طرح آپ کے آباؤ اجداد تھے، اور آپ بھی وہی قربانی بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر دیں گے جو آپ کے آباؤ اجداد نے دی اور جو موجودہ نسل دے رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس معاملے میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہوگا۔ کل جب میں پشاور جاؤں گا تو میں یہ کہنے میں فخر محسوس کروں گا کہ مالاکنڈ ڈویژن کے تمام عوام نے اس بات کا تہیہ کیا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں نہ صرف مسلمان بنیں گے، نہ صرف پاکستانی بنیں گے، بلکہ اپنی قوم اور ملک کے دفاع کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار رہیں گے۔

آپ نے سپاسنامے میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے، ان کا میرے ساتھ اور میری حکومت کے ساتھ تعلق ہے۔ میں آپ حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ نے محبت آمیز الفاظ سے ہماری کچھ کوششوں کو سراہا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمیں ان تمام کاموں میں کامیابی نصیب کرے۔

میں اس لحاظ سے بھی آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع فراہم کیا اور اس کے ساتھ ہی اپنے سپاسنامے میں آپ نے چند چیزوں کی طرف توجہ دلائی۔ ان کے متعلق میں کوئی فوری جواب نہیں دینا چاہتا ہوں بلکہ ایک دو چیزوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ کہ جو ترقیاتی ادارے ہیں، ان کو نئے سرے سے بنانے سے ترقی نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک نیا ترقیاتی ادارہ مالاکنڈ

ڈویژن کے لیے ہونا چاہیئے۔ مین آپ سے معذرت کے ساتھ یہ عرض کروں گا کہ اس وقت صوبہ سرحد میں تین ترقیاتی ادارے Development Authorities کام کر رہے ہیں۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ ان کو مضبوط بنائیں تاکہ وہ مالاکنڈ ڈویژن کی طرف پوری توجہ دے سکیں اور اس علاقے کی ترقی کی طرف زیادہ رجوع کریں۔

جہاں تک سڑکوں کا تعلق ہے تو یہ عرض کروں گا کہ موجودہ حکومت کے پیشِ نظر تین اصول ہیں جن کے مطابق ہم اپنے ترقیاتی پروگرام بناتے ہیں۔ میرے خیال میں پاکستان کے اندر جو سب سے اشد ضرورت ہے وہ تین چیزوں کی ہے۔ اگر یہ تین بنیادی چیزیں ہم قائم کر سکیں تو پھر ترقی کے لئے بہت سی راہیں کھل جائیں گی۔ جو سب سے پہلی چیز ہے وہ سڑک یا سڑکیں، دوسری چیز بجلی اور تیسرا ہے پانی۔ ہماری حکومت کی تمام تر توجہ ان کے ساتھ ہے۔ میں آپ کے ساتھ تعاون کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو وسائل ہمارے پاس موجود ہیں، ہم ان کو اسی طریقے سے ترجیحاتی پروگرام کے لئے استعمال میں لا رہے ہیں اور جہاں تک سڑکوں کا تعلق ہے، تو پورے پاکستان کے لئے ہماری توجہ ہے اور صوبہ سرحد میں تو خاص طور پر اس کی طرف توجہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ جیسے ہی ہمارے وسائل بڑھیں گے، اسی طریقے سے سڑکوں کی تعمیر میں بھی ترقی ہوگی۔

آپ نے ہوائی سروس کے متعلق سُن بھی لیا ہے۔ میں نے جیسا کہ آپ سے عرض کیا ہے، آپ کو منگورہ کا ہوائی اڈہ مبارک ہو اور اس کے لئے جن حضرات نے کام کیا ہے، میں آپ کی طرف سے اور اپنی طرف سے ان کا شکر گزار ہوں اور جناب گورنر صاحب کا خاص طور پر کیونکہ یہ ان کی خاص توجہ کا نتیجہ ہے کہ آج میں نے اس ہوائی سروس کا افتتاح کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا ہے انشاءاللہ یکم فروری سے یہ سروس ہفتے میں

دو دفعہ باقاعدہ یہاں آیا کرے گی اور اس طریقے سے مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ مالاکنڈ ڈویژن میں اور بہت سے ہوائی اڈے بنیں گے اور بہت سے ترقیاتی کام ہوں گے اور آہستہ آہستہ ہم ترقی کی سیڑھی پر چڑھتے چلے جائیں گے۔

آپ نے کسٹم قوانین کا ذکر کیا ہے۔ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں اور جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے، انشاء اللہ کچھ تھوڑے عرصے کے لئے ان قوانین کو نافذ کرنے میں تاخیر کی جائے گی۔ جنگلات کے تحفظ کے لئے صوبائی حکومت پہلے ہی کوشش کر رہی ہے۔ سوئی گیس کے لئے آپ کا مطالبہ بجا ہے، لیکن موجودہ وسائل اس چیز کی اجازت نہیں دیتے کہ فوری طور پر یہ یہاں لائی جا سکے۔ لیکن انشاء اللہ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ پاکستان کے تمام حصوں میں جتنی جلدی سے جلدی ہو سکے، ہم اس قسم کی ضروریاتِ زندگی کو فوری طور پر فراہم کر سکیں۔ مجھے امید ہے کہ سرحد کے ترقیاتی ادارے کے متعلق گورنر صاحب نے آپ کا نقطۂ نظر ضرور سنا ہوگا اور وہ کوشش کریں گے کہ یہ ترقیاتی ادارہ مالاکنڈ کے ترقیاتی کاموں کے لئے بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لے۔ تعلیمی اداروں میں جہاں تک کوٹا زیادہ کرنے کے لئے آپ کی سفارش ہے، اس سے بھی میں اتفاق کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ صوبائی حکومت اس کو بھی عملی جامہ پہنائے گی۔

لوکل گورنمنٹ کے ادارے کے متعلق میں نے ابھی تک کوئی ذِکر نہیں کیا ہے۔ میں ان تمام حضرات کو جو گزشتہ Elections کے بعد لوکل سیلف گورنمنٹ میں منتخب ہوئے ہیں، مبارک باد دیتا ہوں۔ میری، میری حکومت کی اور عوام کی آپ سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ آپ نے ان کا اعتماد حاصل کیا ہے، انہوں نے آپ کو ووٹ دیئے ہیں، انہوں نے آپ پر بطور مسلمان کے اعتماد کیا ہے۔ یہ آپ کے پاس امانت ہے۔ اگر آپ صحیح معنوں میں ان کی نمائندگی نہیں کریں گے تو آپ امانت کے اندر خیانت کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ بطور مسلمان ہونے کے، بطور ایک امین ہونے کے، کیونکہ آپ نے اپنے پاس امانت رکھی

ہے، صحیح طور پر عوام کی نمائندگی کریں گے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جو یہ تجربہ ہم کر رہے ہیں لوکل سیلف گورنمنٹ کا، جس کے اندر یونین کونسل سے لے کر ڈسٹرکٹ میونسپل کمیٹی، تمام اداروں کے انتخابات ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کافی سے زیادہ اچھے لوگ آئے ہیں اور یہ اب آپ پر منحصر ہے کہ آپ کس طریقے سے اپنے آپ کو صحیح معنوں میں عوام کا نمائندہ ثابت کریں اور کس طریقے سے عوام کی خدمت کریں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، پاکستان کے پاس وسائل کی کچھ کمی ہے لیکن اتنے کم وسائل بھی نہیں ہیں کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے اگر ہم صحیح معنوں میں اس کا استعمال کریں تو ہم اپنے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ نہ صرف آپ اپنے علاقائی مسائل کو حل کریں گے بلکہ قومی سطح پر بھی اچھے مشورے دیں گے اور اچھی تجاویز پیش کریں گے۔ عنقریب میرا جو ایک اور تجربہ ہونے والا ہے، وہ یہ ہے کہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر میں قوم کو، عوام کو اپنے اعتماد میں لینا چاہتا ہوں اور انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت پاکستان کی اندرونی اور بیرونی صورتِ حال کیا ہے۔ میں نے جس طریقے سے آپ سے خطاب کیا ہے، اسی طریقے سے میں قوم سے بھی خطاب کروں گا، لیکن چونکہ اس وقت ہمارے پاس وہ عمل نہیں ہے جس کو لوگ جمہوری عمل کہتے ہیں لیکن آیا جمہوریت پاکستان میں کس طریقے سے رائج کی جائے گی یا آپ یہ کہیں کہ اسلام میں جمہوریت نہیں تو پھر جو عوام یا قوم رائے قائم کرے گی یا جو چاہے گی، اس کے مطابق عمل ہوگا، لیکن اس وقت میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قوم کے اندر چند ایک، چند کہہ لیجئے یا مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ آپ میں ماہرِ تعلیم ہیں، زمیندار ہیں، مزدور ہیں، تعلیم یافتہ انسان ہیں، ڈاکٹر ہیں، سائنس داں ہیں، انجینئر ہیں، مذہبی علماء ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ سیاست داں بھی ہیں۔ میری یہ کوشش ہے کہ انشاءاللہ اگلے چند دنوں میں ان مختلف طبقوں سے ان کے نمائندے بُلا کر ان سے

صلاح مشورہ کرنے کے بعد قوم کے لئے ایک خاص راہِ عمل تجویز کی جائے جس کے تحت ہم آئندہ کچھ عرصہ کام کرسکیں تاکہ قوم کو بھی معلوم ہو کیونکہ اِس وقت میری جو اپنی رائے ہے میں امید کرتا ہوں کہ میں اس بات میں غلط ہوں، لیکن مجھے جو محسوس ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ کچھ سہمے سہمے سے ہیں۔ میں آپ کے توسّط سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سہمنے کی، ڈرنے کی کوئی صورتِ حال نہیں۔ اگر کوئی کمزوری ہے تو وہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنا ایمان مضبوط بنائیں۔ قوم کو چاہیئے کہ وہ ملک پر، ملک کے استحکام پر اور ملک کی تقدیر پر صحیح معنوں میں اعتماد Believe کریں۔ یقین رکھیں، اگر ہم اپنے دفاع کے لئے خود تیار ہیں تو پاکستان کے اوپر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ کوئی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے، یہ میرا ایمان ہے کہ اگر ہم کوشش کریں گے، اگر ہم صحیح معنوں میں مسلمان بنیں گے تو اللہ تعالیٰ کی برکتیں، اس کا سایہ ہمارے ساتھ رہے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اگر آپ مادّی چیزوں کی طرف جائیں گے تو میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ ہم اکیلے نہیں ہیں۔ بہت سے ہمارے ساتھی ایسے ہیں، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس وقت، ہمارے آڑے وقت میں ہمارا کندھا پکڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر یہ صورتِ حال اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور اگر یہ چیز ہے تو اس وقت اہلِ پاکستان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بغیر کسی گھبراہٹ کے، بغیر کسی تشویش کے، اللہ تعالیٰ پر اور اسلام پر ایمان رکھتے ہوئے کوشش کریں اور محنت کریں، پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو انشاء اللہ ترقی ہی ترقی ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی اس تقریر کو ختم کرتا ہوں اور آپ کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

شہری استقبالیے سے خطاب

۱۳ جنوری، ۱۹۸۰ء

صوبہ سرحد کے دو روزہ دورے میں صدرِ مملکت نے ۱۳ جنوری کو پشاور کے شاہی باغ میں ایک شہری استقبالیے سے خطاب کیا۔ پشاور میونسپل کارپوریشن کے زیرِ اہتمام اس تقریب میں دوسرے بلدیاتی اداروں کے سربراہ اور نمائندوں کے علاوہ گورنر سرحد لیفٹیننٹ جنرل فضل حق، وفاقی وزراء، صوبائی مشیر، اعلیٰ سول اور فوجی حکام اور پشاور کے شہریوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

صدرِ مملکت کی تقریر سے پہلے پشاور میونسپل کارپوریشن کے سربراہ جناب نیاز محمد ارباب نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں ملک کی اندرونی صورتِ حال، نظامِ اسلام کے لئے حکومت کی کوششوں اور بیرونی حالات کا تفصیل سے ذکر کیا۔ صدر نے پشاور میونسپل لائبریری کے لئے دس لاکھ روپے کی گرانٹ اور صوبے میں ٹرانسپورٹ کی سہولتیں بڑھانے کے لئے پچاس بسوں کے عطیے کا اعلان بھی کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

گورنر صوبۂ سرحد جناب لیفٹیننٹ جنرل فضلِ حق صاحب،

میونسپل کارپوریشن پشاور کے چیئرمین، جناب نیاز محمد ارباب صاحب،

ارکانِ کارپوریشن،

دیگر بلدیاتی اداروں کے عہدہ داران،

اور

معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ یہ امر میرے لئے باعثِ فخر اور باعثِ عزت ہے کہ آج مجھے اس تاریخی مقام، شاہی باغ میں عوام کے نمائندوں سے خطاب کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں اس عالیشان مجلس اور عوام کے منتخب نمائندوں کی موجودگی میں اپنے خیالات کا اظہار کھلے الفاظ میں کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے یہ ضروری محسوس کرتا ہوں کہ لکھی ہوئی تقریر کی بجائے بغیر کسی تکلّف کے آپ سے کھلے الفاظ میں خطاب کروں۔ سب سے پہلی چیز جس کا میں

ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ عوامی حکومت کی داغ بیل ڈالنے کا سہرا فوجی حکومت کے ہی سر ہے اور جو لوگ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک یہ ذکر کرتے ہیں کہ پاکستان میں آمرانہ فوجی حکومت ہے، وہ آج یہاں آکر دیکھیں کہ شاہی باغ میں فوجی موجود ہیں یا عوامی نمائندے۔

ہر قوم کا ایک تشخص ہوتا ہے، اس کی اپنی ایک ہیئت ہوتی ہے اور ایک جذبہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور مسلمان کا ایک انفرادی کردار اور اخلاق ہے۔ سب سے بڑی بات ہمارا خدا ایک، رسولؐ ایک اور ہماری کتاب ایک ہے۔ اسلام سب سے بڑی بات یہی سکھاتا ہے۔

میں آپ سے یہ نہیں کہنا چاہتا کہ مجھے اپنا قائد مانیئے۔ جس دن مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی اور قومی قیادت میسّر ہو گئی ہے تو میں ایک منٹ کے لئے بھی زیادہ نہیں رہوں گا۔ اس بات کا فیصلہ عوام کریں گے، نہ میں کروں گا اور نہ افواجِ پاکستان۔ فوج نے ملک کا اقتدار اس وقت سنبھالا جب ملک خانہ جنگی کے کنارے کھڑا تھا۔ ملک میں سیاسی جماعتیں افراتفری مچانے کے درپے تھیں، لیکن جولائی ۱۹۷۷ء میں جس چیز کو نمایاں مقبولیت حاصل ہوئی وہ عوامی مہم تھی نہ کہ سیاسی پارٹیاں۔ عوام ایک آمر اور بعض غلط عناصر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے گلی کوچوں اور بازاروں میں سر پر کفن باندھ کر اور سینوں پر قرآن رکھ کر نکل آئے۔ انہوں نے اعلانیہ کہا کہ ہمیں اسلامی حکومت چاہیئے، ہمیں نظامِ اسلام چاہیئے۔

اس کے باوجود ہم نے یہ کوشش کی کہ اقتدار سنبھالنے کے بعد ہم اس اقتدار کو عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کر دیں۔ میں نے اعلان کیا کہ ہم ۹۰ دن کے عرصے میں انتخابات کروائیں گے۔ اس کے نتیجے میں ہمیں یہ صورتِ حال نظر آئی کہ ہم چند ایک مہینوں کے عرصے کے بعد ایک ایسی قیادت کو پاکستان میں لائیں گے جو نہ صرف اسلام کے بلکہ عوام

اور پاکستان کے بھی خلاف ہو گی۔ اس لئے ہم نے انتخابات ملتوی کر دیئے۔ اس کے بعد میں نے ڈیڑھ سال مسلسل یہ کوشش کی ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے سیاسی پارٹیوں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے سیاسی اقتدار سے بالاتر ہو کر قومی مسائل کو حل کریں اور قوم کی یک جہتی کو پیشِ نظر رکھیں، لیکن سیاسی پارٹیوں میں سوائے معدودے چند لوگوں کے کوئی عنصر ایسا نظر نہ آیا جس کو ملک کا خیال ہو یا قوم کا خیال ہو۔ ان لوگوں میں انتشار اور تفرقہ بازی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اب آپ بتائیے کہ میں ملک ان لوگوں کے حوالے کر دوں جن کے قول کچھ اور ہیں اور کردار کچھ اور ہیں۔ یہ ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا اور انشاء اللہ اسلام کے نام پر قائم رہے گا اور اس کا فیصلہ عوام نے کرنا ہے۔ اس کی قیادت صحیح معنوں میں اسلامی قیادت ہو گی۔ جیسا کہ میں نے آپ سے بلدیاتی انتخابات سے پہلے عرض کیا تھا کہ پاکستان کی سالمیت کی خاطر ایسے نمائندے چنیئے جو کہ اسلام پسند ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ نے صحیح نمائندے چنیں ہوں گے کیونکہ ان کی کارکردگی ان کے کام سے نظر آئے گی، ان کے اعمال سے نظر آئے گی۔ آپ کے ذمے بہت زیادہ مشکل فرائض ہیں اور ان فرائض کو پورا کرنے کے لئے آپ کو اپنے اندر اتحاد، قومی جذبہ پیدا کرنا ہو گا اور عوام کی توقعات پر پورا اترنا ہو گا، صحیح معنوں میں عوام کی نمائندگی کرنی ہو گی۔ ہم پندرہ سال کے عرصے کے بعد اس تجربے سے دوبارہ گزرے ہیں۔ لوگوں نے آپ پر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے، اب یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ اس اعتماد پر پورا اتریں اور مجھے آپ سے بھرپور توقع ہے۔ آپ کو صوبہ سرحد کے گورنر جناب فضل حق صاحب کی بے مثال قیادت بھی حاصل ہے اور آپ نے جو میئر چنا ہے، جناب نیاز محمد ارباب، وہ بھی اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ان قائدوں کے ذریعے آپ صحیح معنوں میں اپنے فرائض سرانجام دیں گے۔

اس کے بعد جس بات کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ ہیں ملکی

مسائل۔ ملکی مسائل کا دائرہ ہم تھوڑا سا تنگ کریں تو ہم صوبائی مسائل سے نکل کر موجودہ میونسپل کارپوریشن کے مسائل پر آ جاتے ہیں۔ جناب ارباب صاحب نے اپنے مسائل میرے سامنے پیش کئے ہیں۔ میں انہیں اور آپ کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ حکومت پاکستان کے اختیار میں جو کچھ بھی ہے، ہم انشاءاللہ آپ کو پوری مدد دیں گے۔ آپ کے جتنے زیادہ سے زیادہ مسائل حل کر سکے ان کو حل کریں گے، لیکن یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ پاکستان کے وسائل محدود ہیں اور مسائل لامحدود ہیں۔ اس لئے مسائل کو حل کرنے کے لئے ہمیں اس بات کی طرف توجہ دینی چاہیئے جس کی جناب ارباب صاحب نے نشاندہی کی ہے کہ ہم اپنی مدد خود آپ کریں۔ اس وقت پاکستان کے اندر کوئی ایسی کارپوریشن نہیں جس کو وفاقی حکومت نے سپیشل گرانٹ دی ہو کیونکہ ایسا ہوتا تو سب سے پہلے میں پشاور کو دیتا۔ پشاور کے ساتھ میرا نہ صرف جسمانی تعلق ہے بلکہ روحانی تعلق بھی ہے۔ مَیں نے اس شہر کے لوگوں کا جذبۂ ان کا ایمان اور انکی مہمان نوازی کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ اس لئے میں آپ کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ وفاقی حکومت انشاءاللہ وہ تمام کارروائی کریگی جس سے پشاور کارپوریشن کو مدد ملے۔

پاکستان میں تعلیم کو عام کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ پاکستان میں صرف گیارہ فی صد خواتین پڑھی لکھی ہیں۔ تمام آبادی کا صرف پچیس فی صد طبقہ پڑھا لکھا ہے۔ یعنی آبادی کا پچھتر فی صد ان پڑھ لوگ ہیں اور پچیس فی صد پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اب بتائیے جس قوم کا پچھتر فی صد حصہ ان پڑھ ہو وہ کیا ترقی کرے گی؟ اس لئے ہمیں لاعلمی کے خلاف مہم چلانا ہوگی اور علم حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے میں وفاقی حکومت کی طرف سے ایک چھوٹا سا ہدیہ دس لاکھ روپے کی رقم پشاور کارپوریشن کے حوالے کرتا ہوں تاکہ وہ یہاں اچھی سی لائبریری بنا سکیں۔ اس کے علاوہ آپ کا جو بڑا مسئلہ ہے وہ یہ

ہے کہ آج کل آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ سکولوں کی ضرورت ہے، ہسپتالوں کی ضرورت ہے، جو ہسپتال بنے ہوئے ہیں ان کو اچھی طرح چلانے کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں پشاور کو میں پہلا مثالی شہر بنانا چاہتا ہوں جس میں کوئی گداگر اور بھکاری نہ ہو۔ اگر صحیح معنوں میں ہمارا معاشرہ اسلامی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ کوئی آدمی بھیک مانگتا ہوا نظر آئے۔ میں جناب ارباب صاحب سے درخواست کروں گا کہ پشاور شہر کو بھکاریوں سے پاک کریں اور یہاں کے تمام لوگوں کو اگر کم از کم تین وقت کی نہیں تو دو وقت کی روٹی مہیا کریں۔ اس کے لئے بھی خصوصی گرانٹ کا اعلان کرتا ہوں جس سے پشاور شہر میں ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو ضرورت مند لوگوں کو تلاش کر کے ان کو نہ صرف دو وقت کی روٹی مہیّا کرے بلکہ انہیں ایک باعزت پیشے میں لا کر انہیں اپنی روزی کمانے کا موقع مہیا کرے۔

جناب فضلِ حق صاحب نے مجھے اور وفاقی وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان کو چند ایک سفارشات پیش کی ہیں۔ ان کا جائزہ ہم لے رہے ہیں۔ آجکل صوبۂ سرحد میں ٹرانسپورٹ کی حالت ذرا خراب ہے۔ میں وفاقی حکومت کی طرف سے ۵۰ بسوں کے عطیہ کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔

آج سے بتیس سال پہلے جب صوبۂ سرحد کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ پاکستان کا حصّہ بننا چاہتے ہیں تو اس وقت جو آواز آئی تھی وہ یہ تھی کہ پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ ہم اس خطّے میں ایک ایسی مملکت بنانا چاہتے ہیں جس میں اسلامی نظام ہو، جہاں مسلمان اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں، جہاں اقلیتوں کو بھی اتنا ہی تحفّظ ہو جتنا کہ مسلمانوں کو ہو۔ اس وقت پاکستان کو بنانے کے لئے لوگوں نے جو کردار ادا کیا تھا وہ لاثانی ہے، وہ بے مثال ہے اِس قسم کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ یہ وہی ملک ہے۔ اگر بتیس سال میں اس میں کوئی کمزوری آئی ہے، اگر اس کے اندر کوئی شگاف پڑا ہے تو وہ

ہمارے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ نظریاتی ملک اگر دو چیزوں کا تعیّن نہیں کرے گا تو وہ مٹ جائے گا۔ نظریاتی ملک کے لئے سب سے اوّل اور اہم بات یہ ہے کہ اس کو اپنے نظریے کا تحفّظ کرنا چاہیئے۔ ہمارا نظریہ اسلام ہے۔ اگر ہم اسلام کا تحفّظ نہیں کریں گے، اگر ہم صحیح معنوں میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں بنائیں گے تو یاد رکھئے صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ دوسری چیز جس کا ایک نظریاتی مملکت کو ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ اس نظریے کا دشمن کون ہے اگر ہم نے اس چیز کی نشاندہی کر لی ہے، اگر ہم نے اس کا تعیّن کر لیا ہے اور یہ جان لیا ہے کہ پاکستان کا دشمن کون ہے، پھر اس دشمن سے ملک کو محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ان دونوں چیزوں کی طرف توجہ دیں۔ جہاں تک اسلامی نظریے کا تعلق ہے، ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بننا چاہیئے۔ اگر ہم صحیح مسلمان ہیں تو ہم قدرتی طور پر اچھے پاکستانی بھی بنیں گے۔ ہمارے ہاں ایمان کی کچھ کمزوری ہے۔ کچھ شکوک وشبہات اور خدشات ہیں۔ لوگ آج یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ ہونا چاہیئے اور ایک ایسا عنصر بھی ہے جو یہ کہہ رہا ہے کہ یہاں اشتراکیت ہونی چاہیئے، لادینیت ہونی چاہیئے۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان کے عوام اور صوبہ سرحد کے حریت پسند باشندے اس کے خلاف ایسی مہم چلائیں گے کہ پاکستان میں اگر کوئی ایسا عنصر ہے جو پاکستان کی جڑیں کاٹ رہا ہے تو اس کو ایسا دبوچیں کہ اس کو جان کے لالے پڑ جائیں۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ پاکستان میں شرپسند عناصر جو قوم اور ملک کے مفاد کے خلاف کام کر رہے ہیں، انہیں کچل دیجئے۔ پاکستان میں صرف ایک نظریہ رہے گا اور وہ ہے اسلام۔ پاکستان میں رہنے والی اقلیتوں کو پورا تحفظ ملے گا بشرطیکہ ان کا نظریہ صحیح ہو۔

آپ کو اس چیز کا علم ہوگا کہ ہماری سرحدوں کے پار کچھ واقعات رونما ہوئے ہیں۔

ان سے ہم کو بے خبر اور لاتعلق نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ ان کا ہمارے ساتھ براہِ راست تعلق ہے۔ افغانستان میں جو حالات پیدا ہوئے ان کی وجہ سے پاکستان میں اس وقت پانچ لاکھ پناہ گزین موجود ہیں وہ آپ کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ مسلمان ہونے کے ناطے یہ ہمارا فرض ہے کہ صحیح معنوں میں ان کی خدمت کریں اور وہ جذبہ تازہ کریں جو آج سے چودہ سو سال پہلے مدینہ منوّرہ میں انصار اور مہاجرین میں دیکھا گیا تھا۔

جیسا کہ آج صبح میں نے قبائلی جرگے میں اعلان کیا تھا، میں آج اس شاہی باغ میں اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ مہاجرین کی ضروریات کے لئے میں ایک سپیشل پریذیڈنٹ فنڈ کے قیام کا اعلان کرتا ہوں اور آپ سے اور مخیّر حضرات سے اور پاکستان کے تمام باشندوں سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ حسب حیثیت اس میں عطیات دیں اور اس جذبے سے دیں کہ یہ ان کا انسانی اور دینی فرض ہے۔

ان حالات کے رونما ہونے سے پاکستان متاثر ہوا ہے۔ میں یہ کھلے لفظوں میں اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ شر پسند عناصر کی کوشش ہے کہ ملک میں انتشار اور بدنظمی پھیلائی جائے۔ آپ نے ملک کا تحفّظ کرنا ہے اور ان عناصر کی کوششوں کو ناکام بنانا ہے۔

ہمارے لئے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ ہم آپس میں اتحاد اور یک جہتی پیدا کریں اور اس اتحاد کی ضرورت اس لئے بہت ضروری ہے کہ اس وقت افغانستان میں ایک غیر ملکی طاقت ہے جس کو لوگ روس کا نام دیتے ہیں اور ایک اسلامی ملک کے اوپر ایک غیر اسلامی نظام کو ٹھونسنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ افغانستان کے جوانمرد افغان مسلمان کبھی یہ گوارا نہیں کریں گے کہ ان کا ملک کسی اور کے قبضے میں چلا جائے وہ کبھی یہ گوارا نہیں کریں گے کہ ان کے ملک پر اسلامی نظریّے کی بجائے کوئی اور نظریہ ٹھونسا

جائے۔

پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام اگر متحد ہوں اور صحیح معنوں میں اسلامی جذبہ رکھتے ہوں تو کوئی ایسی دنیاوی طاقت نہیں جو ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کر سکے۔ میں ان الفاظ کے ساتھ آپ کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع دیا کہ میں آپ سے اپنے دلی جذبات کا اظہار کروں اور مختصراً میں نے آپ سے یہ عرض کیا ہے کہ آپ بطورِ عوامی نمائندے اپنے فرائض ایمانداری سے انجام دیجئے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا، انشاء اللہ اسلام کے نام پر قائم رہے گا۔ اپنے نظریّے کی حفاظت کیجئے۔ اپنے دشمن کی نشاندہی کیجئے۔ قوم کو یکجا کریں اور ان عناصر کا قلع قمع کیجئے جو پاکستان کے خلاف کارروائیوں میں مصروف ہیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کسی آزمائش میں نہ ڈالے اور اگر کوئی آزمائش آن پڑے تو مالکِ حقیقی ہمیں اس آزمائش میں کامیاب کرے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

قبائلی جرگے سے خطاب

۱۳ جنوری، ۱۹۸۰ء

صوبہ سرحد کے دورے کے دوسرے روز ۱۳ جنوری ۱۹۸۰ء کو صدرِ مملکت نے گورنر ہاؤس پشاور میں قبائلی جرگے سے خطاب کیا۔ جرگے میں قبائل کے سربراہوں اور نمائندوں کے علاوہ گورنر صوبہ سرحد لیفٹیننٹ جنرل فضل حق، وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان، وزیر تعلیم جناب محمد علی خان ہوتی، صوبائی مشیر اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام موجود تھے۔

صدر کی تقریر سے پہلے ملک شہباز خان نے تمام قبائل کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا اور نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے حکومت کی کوششوں میں قبائلی عوام کی طرف سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ انہوں نے برادر ملک افغانستان میں روسی فوجی مداخلت کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اس مداخلت کے خلاف پاکستانی قبائل میں شدید جذبات پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے افغان بھائیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے لئے جہاد کی اجازت کے خواستگار ہیں۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں قبائلی عوام کے جذبات کو خراجِ تحسین پیش کیا اور انہیں صبر و ضبط کی تلقین کی۔ صدر نے کہا کہ مسئلہ جذبات سے نہیں، ہوش اور صبر سے حل ہو سکتا ہے۔ افغان مہاجرین کی میزبانی کے سلسلے میں قبائلی عوام کی فراخ دلی کی صدر نے تعریف کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں افغان صورتِ حال اور اس کے پاکستان پر اثرات کا تفصیلی ذکر کیا اور بتایا کہ حکومت ان حالات سے نمٹنے کے لئے مناسب اقدامات کر رہی ہے۔ صدر نے اپنی تقریر میں ملک کے اندرونی حالات اور قبائلی علاقوں کی ترقی کے لئے حکومت کی کوششوں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ کچھ عرصہ پہلے اسی گورنر ہاؤس میں اسی طرح کے ایک جرگے سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ آج میرے لئے یہ بڑی خوشی اور فخر کی بات ہے کہ ایک بار پھر آپ سے مخاطب ہونے کا موقع ملا ہے۔ گزشتہ اور موجودہ ملاقات کے درمیانی عرصے میں ہم بہت سا سفر طے کر چکے ہیں جس کے بارے میں آج آپ سے اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہوں۔ اس سفر کا ایک حصہ اندرونی حالات سے متعلق ہے اور دوسرا ہمارے گردو پیش کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کے بارے میں ہے۔

پہلے اندرونی حالات کو لیجئے۔ اس عرصے میں ہم نے جو اہم کام کیا ہے، وہ نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے چند بنیادی اقدامات ہیں جن کا میں نے ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ ہجری کو اعلان کیا تھا۔ ان اقدامات میں اسلام کے بعض رفاہی پہلوؤں کی تکمیل کے لئے زکوٰۃ اور عشر کا آرڈیننس اور تعزیری میدان میں چار اسلامی حدود کا نفاذ تھا۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ ملک کے دوسرے حصوں کی طرح قبائلی علاقوں میں ان اقدامات کو سراہا گیا ہے جس کا اظہار کل مالاکنڈ ڈویژن کے ایک

قبائلی جرگے میں بھی کیا گیا تھا اور آج آپ کے سپاسنامے میں بھی کیا گیا ہے۔ عوام خاص طور پر قبائلی بھائیوں کی بھرپور حمایت اور تعاون ہمارا عظیم سرمایہ ہے جس سے ہم نئے سے نئے قدم اٹھانے کا حوصلہ اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت پاتے ہیں۔ میرے لئے یہ بات خاص طور پر قابلِ فخر ہے کہ قبائلی عوام اسلام کے لئے بے پناہ محبت رکھتے ہیں اور آج جب سائنس کی ترقی اور مادی آسائشوں کی کشش لوگوں کو گمراہ کن سبز باغ دکھا رہی ہے، ہمارے قبائل اب بھی اسلام پر اٹل یقین رکھتے ہیں اور اس کے لئے ان گنت قربانیاں دینے کو تیار ہیں۔ میں اسلام سے ان کی اس دیرینہ محبّت پر انہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح ماضی میں یہ قبائلی علاقے اسلام کا آہنی قلعہ ثابت ہوئے تھے، اسی طرح وہ آئندہ بھی اسلام اور پاکستان کا ناقابلِ تسخیر دفاعی حصار ثابت ہوں گے۔

ہم نے اب تک نفاذِ اسلام کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ صرف اس منصوبے کی ابتدا ہے جسے ہم عملی جامہ پہنا کر ملک میں مکمل اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جن پہلوؤں پر گزشتہ دو سالوں میں پیش رفت ہو سکی، ان کا اعلان پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ اب بھی سماجی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں کام ہو رہا ہے۔ جوں جوں ان شعبوں میں بھی کامیابی حاصل ہوئی، مزید نفاذِ اسلام کے لئے اقدامات کا اعلان کیا جائے گا۔

یہ میرا ایمان ہے کہ اسلام کا نفاذ نہ صرف اس جہاں میں ہمارے لئے باعثِ ثواب اور اگلی دنیا میں ذریعۂ نجات ہے بلکہ ہمارا ملکی وجود بھی اس سے دائمی طور پر وابستہ ہے۔ یعنی ہم صرف اسی صورت میں اپنا قومی وجود قائم رکھ سکتے ہیں کہ جب ہم پاکستان کے بنیادی نظریے یعنی دینِ اسلام کو اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کریں۔ اگر خدانخواستہ اس سلسلے میں ہم نے کوئی سستی یا کوتاہی برتی تو اس کے نتیجے میں ناقابلِ تلافی نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔

نفاذِ اسلام کے بارے میں ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ

کے فضل وکرم سے ہم پہلے ہی قرآن وسنّت پر ایمان رکھتے اور مسلمان کہلاتے ہیں۔ ہمارے ہاں نفاذِ اسلام کا مطلب یہ نہیں کہ ہم خدانخواستہ کسی انقلاب کے ذریعے ایک کافر یا غیر مسلمان معاشرے کو اسلامی معاشرہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ اس سے مراد ہماری یہ کوشش ہے کہ ہم اپنی اپنی جگہ اپنے عقیدے کے مطابق، اپنے انفرادی اور اجتماعی کردار کی اصلاح کریں، اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کو پورا کریں اور اپنی معاشرتی، معاشی، ثقافتی زندگی اور اس کے دوسرے شعبوں میں اسلام کے قوانین پر عمل کریں۔ اگر ہم نے یہ کام کر لیا تو سمجھ لیجئے کہ ہم نے اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی راہ ہموار کر دی۔

نفاذِ اسلام کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہمارے اندر کئی ایسے عناصر موجود ہیں جو ہماری مملکتِ خداداد کے بنیادی نظریے پر یقین نہیں رکھتے اور جہاں جہاں ان کی رسائی اور اثر ورسوخ ہے، وہ زہر پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آستین کے یہ سانپ ملک و قوم کے دشمن اور آپ کی گرفت کے لائق ہیں۔ آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ ان عناصر سے نہ صرف ہوشیار رہیں بلکہ جہاں بھی ان کا نشان ملے، ان کو اپنے عزائم میں ناکام بنا دیں۔

نظریاتی ملک کے استحکام اور بقا کے لئے میں ہمیشہ دو باتوں کو لازمی قرار دیتا ہوں، ایک اپنے اساسی نظریے پر پختہ یقین اور دوسرا اپنے دشمن کی واضح نشاندہی۔ جب تک منزل کے یہ دو نشان ہمارے سامنے ہیں، ہماری قومی یکجہتی اور ملکی استحکام کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

اندرونِ ملک دوسرا اہم شعبہ جس کا میں ذکر یہاں کرنا چاہتا ہوں، وہ ترقیاتی منصوبے ہیں جن کا مقصد پسماندہ حصوں، خاص طور پر قبائلی علاقوں کو ترقی دینا ہے۔ ان منصوبوں پر خرچ ہونے والی رقوم پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قبائلی اور دیگر پسماندہ علاقوں کی ترقی پر جتنی رقم آج خرچ کی جا رہی ہے، پہلے کبھی خرچ نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ پاکستان

راتوں رات امیر ہو گیا ہے اور کوئی سونے کی کان یا تیل کے کنوئیں دریافت ہو گئے ہیں۔ اللہ کرے ایسا ہو جائے، لیکن اس کثیر رقم کو خرچ کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ موجودہ حکومت یہ سمجھتی ہے کہ جب تک قبائلی علاقوں سمیت دور افتادہ حصوں کو ترقی دے کر آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیا جاتا، ملک مجموعی طور پر خوشحالی کی منزل حاصل نہیں کر سکتا۔

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ گزشتہ کئی برسوں بلکہ کئی صدیوں کی پسماندگی دور کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اب بھی ایسے علاقے موجود ہیں جہاں بجلی اور سڑکوں کا تصوّر عیاشی سمجھا جاتا ہے، لیکن آپ میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ جہاں چند سال پہلے تک لوگ پینے کے پانی اور ابتدائی طبّی سہولتوں کو ترستے تھے، وہاں اب ترقی کی کرنیں نمودار ہونے لگی ہیں۔

اس سال قبائلی علاقوں میں ترقیاتی منصوبوں پر اخراجات کی مجموعی رقم سوا پچیس کروڑ روپے کے لگ بھگ بنتی ہے، جس میں سے تقریباً سات کروڑ روپے سڑکوں کی تعمیر اور ڈھائی کروڑ روپے بجلی کی فراہمی کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ اسی طرح تعلیم پر سوا چار کروڑ اور صحت پر تقریباً دو کروڑ روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس علاقے کی ترقی کے لئے ایک "ٹرائبل ڈویلپمنٹ کارپوریشن" Tribal Development Corporation بھی قائم کی گئی ہے جو ساڑھے پانچ کروڑ روپے خرچ کرے گی۔

ان فنڈز کے استعمال سے قبائلی علاقوں میں چھ ہزار پانچسو ایکڑ اراضی کو قابلِ کاشت بنایا جائے گا اور تقریباً دو ہزار ایکڑ رقبے پر نئے جنگلات لگائے جائیں گے۔ ۱۳۰ پرائمری، ۲۹ مڈل، ۴ ہائی اسکولوں اور ایک کیڈٹ کالج سمیت ۲ کالجوں کی عمارتیں تعمیر کی جائیں گی۔ اس کے علاوہ پہلے سے قائم شدہ پرائمری اور مڈل اسکولوں کی عمارتوں کی توسیع کی جائے گی اور اساتذہ کے لئے مزید رہائشی کوارٹرز تعمیر کئے جائیں گے۔ ان تعلیمی سہولتوں کے ساتھ ساتھ قبائلی طلباء کو

تعلیمی وظائف دینے پر ۸۰ لاکھ روپے خرچ کیئے جا رہے ہیں۔

زرعی اور تعلیمی شعبوں کے علاوہ آب نوشی اور مواصلات کی سہولتوں کو بھی بہتر بنایا جا رہا ہے۔ موجودہ مالی سال میں قبائلی علاقوں میں آب نوشی کے ۲۷ منصوبے زیرِ تعمیر ہیں، جن میں سے اکثر و بیشتر آئندہ چار پانچ مہینوں میں مکمل ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ مواصلات کے شعبے میں ۱۹ میل پختہ سڑکیں، ۱۷ میل لمبی کچی سڑکیں اور ۶ پل بھی اس سال مکمل ہو جائیں گے۔ صحتِ عامہ کی سہولتیں بہتر بنانے کے لئے بنیادی صحت کے ۲۰ مراکز اور دو ایجنسی ہیڈ کوارٹرز ہسپتال تعمیر کیئے جا رہے ہیں۔

یہ ترقیاتی منصوبے ممکن ہے توقعات اور ضروریات سے کم ہوں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قومی وسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جتنی رقم بھی پسماندہ اور قبائلی علاقوں کی ترقی پر خرچ کی جا سکتی تھی، کی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ جب تک ملک کا نظم و نسق ہمارے ہاتھوں میں ہے، ہم اگلے سالوں میں بھی قبائلی علاقوں کو ترقی دینے میں کوشاں رہیں گے۔

ایسے قبائلی جرگے ماضی میں بھی منعقد ہوتے رہے ہیں اور سابقہ حکومتیں آپ سے قبائلی علاقوں کی ترقی کے وعدے کرتی رہی ہیں، لیکن دیکھنے اور سوچنے کی بات یہ ہے اور میں اس کا فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں —— کہ کس حکومت نے آپ کو صرف سبز باغ دکھائے اور کس حکومت نے آپ کی ترقی اور خوشحالی کے لئے عملی اقدامات کیئے۔ مَیں خود اپنی حکومت کی کارکردگی کی تعریف نہیں کرنا چاہتا، لیکن آپ اپنے علاقے پر نظر ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ آج میں جو کچھ آپ سے کہہ رہا ہوں، اس کی شہادت ان ترقیاتی کاموں سے بھی ملتی ہے جو کہ آج کل آپ کے علاقوں میں زیرِ عمل ہیں۔ بے شک ہمارے وسائل محدود ہیں اور ہمارے مسائل لامحدود ہیں، بے شک قومی ترجیحات اور ملکی ضروریات گوناگوں ہیں، لیکن پھر بھی قبائلی علاقوں کی ترقی ہمیں بہت عزیز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم نہ صرف سالانہ ترقیاتی بجٹ میں ان علاقوں کے لئے معقول رقم مختص

کرتے ہیں بلکہ جہاں تک ممکن ہو، دوران سال بھی سپیشل گرانٹ دیتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے سپاسنامے میں کہا ہے، میں نے گزشتہ ملاقات میں بھی آپ کے علاقوں کی ترقی کے لئے ایک کروڑ روپے کی خصوصی گرانٹ کا اعلان کیا تھا اور آج پھر ایک کروڑ روپے کی ایک اور گرانٹ کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ گرانٹ آپ کو اسی مالی سال کے دوران ملے گی۔ میں یہ رقم صوبائی گورنر، جنرل فضلِ حق کے سپرد کروں گا جو مناسب منصوبہ بندی کے مطابق اسے آپ کی بہبود اور خوش حالی پر خرچ کریں گے۔

میں کل پی آئی اے کی افتتاحی پرواز سے سیدو شریف آیا تھا۔ یہ پرواز باقاعدہ طور پر چند روز بعد یعنی یکم فروری سے شروع ہو رہی ہے۔ اب ہفتے میں دو مرتبہ اس پسماندہ مگر خوب صورت علاقے کے لوگ پشاور اور راولپنڈی بذریعہ ہوائی جہاز آ جا سکیں گے۔ یہ فضائی رابطہ قائم کرنے پر ۵ کروڑ روپے سے زیادہ رقم خرچ کی گئی ہے۔ اگر صرف روپے پیسے کے حساب سے دیکھا جائے تو اتنی تھوڑی آبادی کے لئے اتنا خرچ مالی لحاظ سے فائدہ مند نہیں، لیکن حکومت کے عقیدے کے مطابق اس مالی نقصان میں بھی قومی فائدہ ہے اور وہ یہ کہ دور دراز علاقوں کے ملک کے دوسرے حصوں سے منسلک ہونے کے بعد قومی یک جہتی کو فروغ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اس فضائی سہولت سے ملکی اور غیر ملکی سیّاح بھی فائدہ اٹھائیں گے اور وہ اس خوب صورت علاقے سے یقیناً لطف اندوز ہو سکیں گے۔

میرے عزیز بھائیو!

اب آیئے ان حالات کی طرف جو حال ہی میں ہمارے گردوپیش میں رونما ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے سپاسنامے میں روس کی طرف سے پڑوسی اسلامی ملک افغانستان میں مداخلت کا ذکر کرتے ہوئے، طاقت کے بے جا استعمال کی مذمّت کی ہے اور اپنے افغان بھائیوں کی حمایت میں جہاد کرنے کی اجازت مانگی ہے۔ میں آپ کے جذبات کو بخوبی سمجھتا ہوں اور

آپ کے جذبۂ جہاد کی قدر کرتا ہوں۔ یہ عسکری جذبہ ہمارے قبائلی علاقوں کی تہذیبی زندگی کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کے اس جذبۂ عسکریت کا نتیجہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل بڑی بڑی سلطنتیں انہیں زیر کر کے اپنی مملکت میں ضم نہ کر سکیں۔ بڑی سے بڑی طاقت ان کو کبھی مغلوب نہ کر سکی اور ان کے حوصلے بلند و بالا پہاڑوں کی طرح ہمیشہ سربلند اور ناقابلِ شکست رہے۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والا ملک پاکستان ان مجاہدوں اور جانثاروں کے لئے سچی آزادی کا پیغام لے کر آیا اور تب سے آج تک ان خوددار اور حریت پسند قبائل کی صلاحیتیں مملکتِ خداداد کے تحفظ اور وقار کے لئے استعمال ہو رہی ہیں۔ آپ نے اپنے سپاسنامے میں بجا طور پر ذکر کیا ہے کہ گزشتہ ۳۲، ۳۳ سالوں میں جب بھی پاکستان پر کوئی نازک وقت آیا ہے تو آپ نے ہمیشہ یادگار کردار ادا کیا ہے۔

جہاں تک سرحد پار رونما ہونے والی تبدیلیوں کا تعلق ہے، میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ جو کچھ وہاں حال ہی میں ہوا ہے اور ہو رہا ہے، وہ افسوسناک ہے کیونکہ وہاں مسلّمہ بین الاقوامی اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بیرونی مداخلت کی گئی ہے اور دوسرے بیشتر ممالک کی طرح ہم اس مداخلت کی مذمت کرتے ہیں کیونکہ ہم سمجھتا ہوں کہ اگر طاقت کے زور پر دوسرے ملکوں پر اپنی مرضی کی حکومت اور اپنی مرضی کا نظریۂ حیات مسلط کرنے کی کوشش کو نہ روکا گیا تو چھوٹے اور کمزور ملکوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

اپنی دہلیز پر رونما ہونے والے واقعات سے ہم لاتعلق نہیں رہ سکتے کیونکہ ان واقعات کا اثر پاکستان پر بھی پڑتا ہے۔ ان واقعات کے براہِ راست اثر کی ایک مثال وہ افغان مہاجرین ہیں جو حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے ہیں اب ان کی تعداد ۴ لاکھ ۲۰ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ چار سوا چار لاکھ افراد اپنا گھر بار چھوڑ کر سردی میں ٹھٹھرنے پر کیوں مجبور ہوئے ہیں؟ ظاہر ہے وہ کسی کی دعوت پر پکنک منانے یا سیر و تفریح کرنے کے لئے نہیں آئے بلکہ وہ یہاں اس لئے آئے ہیں کیونکہ ان کی جان، ان کے مال اور ان کی

عزت و آبرو خطرے میں تھی اور ان پر ایک ایسا نظریۂ حیات ٹھونسنے کی کوشش کی جا رہی تھی جو ان کے ایمان، ان کی فطرت اور ان کی روایات کے خلاف ہے وہ عظیم افغان جو ماضی میں بڑی سے بڑی طاقتوں سے ٹکراتے رہے ہیں، اب غیر اسلامی نظریۂ حیات قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ سرحد پار سے آنے والے افغان بھائیوں کی میزبانی کے لئے آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ اسلامی اخوّت کی اعلیٰ روایات کے عین مطابق ہیں۔ حکومتِ پاکستان آپ کی اس میزبانی اور فیاضی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جب تک ہمارے یہ مہمان ظلم و ستم کا شکار ہیں، آپ اپنی روایتی میزبانی کا اظہار کرتے رہیں گے۔

جہاں تک حکومتِ پاکستان کا تعلق ہے یہ بھی اپنے محدود وسائل کے مطابق افغان مہاجرین کو بنیادی ضرورتیں فراہم کر رہی ہے۔ پاکستان کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کیا ہوگا کہ وہ تو اپنی ملی دشواریوں کے باوجود صرف انسانی ہمدردی کے تحت مہاجرین کی دیکھ بھال پر ۱۶، ۱۷ لاکھ روپے روزانہ خرچ کر رہا ہے اور ان مہاجرین کو ہمارے ملک میں دھکیلنے والے الٹا ہمیں الزام دے رہے ہیں کہ پاکستان انہیں افغانستان میں جنگی سرگرمیوں کی تربیت دے رہا ہے۔ میں اس سراسر، بے بنیاد اور شر انگیز الزام کی پُر زور تردید کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ الزام تراشی کا یہ سلسلہ پاکستان کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش کا حصہ ہے۔

یہاں میں آپ کے سامنے تاریخ سے کچھ واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ۱۹۷۱ء میں جب اس زمانے کے مشرقی پاکستان سے کچھ مہاجرین اٹھ کر ہندوستان آئے تو لوگوں نے ہمیں کہا کہ دیکھئے آپ اپنے اندرونی معاملات کو صحیح کیجئے کیونکہ آپ کے لوگ اپنے ملک میں اور اس زمانے کے مشرقی پاکستان کو چھوڑ کر ہندوستان میں آ گئے ہیں۔ ہمیں یہ کہا گیا کہ آپ کے اندرونی معاملات امن و امان سے مختلف ہیں۔ ہمیں یہ کہا گیا کہ یہ آپ کی غلطی ہے کہ آپ کے باشندے اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں جا رہے ہیں۔ آج وہی لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ پاکستان کا قصور ہے

کہ مہاجرین افغانستان چھوڑ کر پاکستان میں آ رہے ہیں۔ آج ہمیں یہ کہا جا رہا ہے کہ پاکستان ان مہاجرین کے لئے ایسے ذرائع پیدا کر رہا ہے کہ وہ افغانستان میں جا کر تخریب کاری کا کام کر رہے ہیں۔ میں صرف یہاں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان صرف انسانی ہمدردی کے تحت ان کی مدد کر رہا ہے۔ اگر پاکستان ان کو کسی اور مقصد کے لئے استعمال کرتا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج وہ علاقے جہاں پر باہر کی فوج بیٹھی ہوئی ہے چل رہے ہوتے۔ اس لئے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم نہ کسی دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل دیتے ہیں اور نہ کسی کو اپنے اندرونی معاملات میں دخل دینے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا پڑوسی ملک اپنے ہاں ایسے حالات پیدا کرے کہ وہاں کے لوگ اپنے دین اور اطوار کے مطابق صحیح زندگی بسر کر سکیں اور دوبارہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔

میں پاکستان کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش کی بات کر رہا تھا۔ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنی اقدار کو اپنی زندگی کی بنیاد سمجھتے ہیں اور ان اقدار میں مصیبت زدہ بھائیوں کی دیکھ بھال سرِفہرست ہے۔ ہمارے پیشِ نظر ۱۴۰۰ سال پرانی ہجرت کی وہ ایمان افروز مثال ہے جب انصار نے مہاجرین کے لئے اپنے گھروں اور دلوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ہم آج اسلامی جمہوریۂ پاکستان کہلاتے ہوئے اس اسلامی روایت سے منحرف نہیں ہو سکتے۔ ہم مقدور بھر اپنے ان بھائیوں کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ ہماری خواہش ہے کہ انہیں پاکستان میں قیام کے دوران بہتر خوراک، مناسب رہائشی سہولتیں اور سردی سے بچاؤ کے لئے وافر مقدار میں کمبل اور رضائیاں مہیا کی جائیں، لیکن ہماری راہ میں وسائل کی کمی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

یہاں میں ایک اور چیز کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ بعض عناصر غلط فہمیاں پیدا کرنے کیلئے یہ افواہیں پھیلا رہے ہیں کہ پاکستان کو دوسرے ملکوں سے جو امداد مل رہی ہے، اسے افغان مہاجرین

پر خرچ نہیں کیا جا رہا ۔ میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کسی کا کوئی قرضہ نہیں دینا اور نہ ہی ہم یہ کسی پر عنایت کر رہے ہیں ۔ ہم جو کچھ اپنے مہاجر بھائیوں کیلئے کر رہے ہیں وہ انسانی ہمدردی اور جذبۂ اسلام کے تحت اپنا فرض سمجھ کر کر رہے ہیں ۔ آج تک ہم نے افغان مہاجرین پر جو کچھ خرچ کیا ہے وہ پاکستان کے عوام کے خون اور گاڑھے پسینے کی کمائی ہے ۔ وہ ہم نے پاکستان کے اپنے خزانے سے خرچ کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب اقوام عالم کا ضمیر کچھ جھنجھوڑا گیا ہے ۔

میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات ہمارے مہاجر بھائیوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا کئے جاتے ہیں کہ ہم انہیں کوئی وظیفہ دے رہے ہیں جو براہِ راست ان کی جیب میں جانا چاہئے ۔ ہم رقم سے ، سامان سے ، ادویات سے ، خوراک سے اور ہر طریقے سے ان کی مدد کر رہے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ قبائلی علاقوں میں جس طریقے سے مہمان نوازی کے ساتھ اب تک ان کی خاطر مدارات کی گئی ہے، انشاء اللہ آئندہ بھی ایسی ہوتی رہے گی ۔

مجھے خوشی ہے کہ اب انسانی فلاح کے اس کارِ خیر میں اقوامِ متحدہ اور بعض دوسرے ممالک نے بھی ہمارا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا ہے ۔ اُمید ہے ان اقدامات سے افغان مہاجرین کی مشکلات کسی حد تک کم ہو جائیں گی ۔

میں آج اس قومی جرگے کے توسّط سے ایک اعلان بھی کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم نے فوری طور پر افغان مہاجرین کے لئے پریذیڈنٹ فنڈ کھولنے کا فیصلہ کیا ہے ۔ میں تمام پاکستان کے عوام ، خاص طور پر مخیر حضرات سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے افغان مہاجرین کی مدد کے لئے اس فنڈ میں بڑھ چڑھ کر چندہ دیں ۔

میں اس موقع پر اقوامِ عالم، خاص طور پر اسلامی ممالک سے اپیل کروں گا کہ وہ ان مظلوم انسانوں اور مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے مزید دستِ تعاون بڑھائیں کیونکہ یہ مسئلہ صرف پاکستان اور افغانستان کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ پوری دنیا، خاص کر پورے عالمِ اسلام کا مسئلہ ہے ۔ مجھے

امید ہے کہ تمام ممالک اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کریں گے اور اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں گے۔

سرحد پار رونما ہونے والے حالات پر ملک کے مختلف حصوں میں شدید ردِّ عمل پایا جاتا ہے۔ کہیں جوش اور ولولے کی انتہا ہے اور کہیں اس تبدیلی کے ممکنہ اثرات پر تشویش ہے۔ میں ان دونوں طبقوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ نہ تو جذبات میں آکر کوئی غیر ذمہ دارانہ کارروائی کریں اور نہ ہی بلاوجہ کسی قسم کی تشویش کو اپنے دل میں جگہ دیں۔ حالات بے شک غیر معمولی اور کسی حد تک پریشان کن ہیں، لیکن آزاد اور بالغ قومیں یکایک جذبات کی رو میں بہنے کی بجائے صورتِ حال کا مکمل جائزہ لینے کے بعد ایک متوازن اور صحت مندانہ رویہ اختیار کرتی ہیں۔ آج ہمیں جن حالات کا سامنا ہے ان پر اعلیٰ ترین سطح پر تفصیلاً غور کیا گیا ہے اور قومی سلامتی اور ملکی استحکام کے لئے جو اقدامات ضروری تھے، ان کا اہتمام کر لیا گیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آڑے وقت ملکی دفاع کے لئے مسلح افواج کا ایک ایک سپاہی اور پوری قوم کا ایک ایک فرد سینہ سپر ہونے کے لئے تیار ہے۔ قبائلی باشندے ہماری شمال مغربی سرحدوں کی اولین دفاعی لائن ہیں۔ ان کے مجاہدانہ جذبے اور ان کی عسکری روایات ہمارے دفاعی حصار کا اہم ستون ہیں۔ فکر اور تشویش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم ہر صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔

ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ حالات جلد از جلد بہتر رخ اختیار کریں کیونکہ ہم امن اور خیر سگالی چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کے تمام حصوں، خاص طور پر ہمارے گردوپیش حالات پُراَمن رہیں تاکہ ہم اپنے ترقیاتی پروگراموں پر عمل درآمد کر کے اپنے عوام کی حالت بہتر بنا سکیں۔ ہم خارجہ تعلقات میں پُراَمن بقائے باہمی کے اصولوں پر کاربند ہیں اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہم انہی اصولوں کے مطابق تمام ممالک، خاص طور پر اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات کو استوار کرنا چاہتے ہیں، لیکن ہمیں اس بات کا بھی احساس ہے کہ بین الاقوامی

حالات ایک ملک کی نیک خواہشات کے تابع نہیں ہوتے، ان پر ایسے عناصر اثر انداز ہوجاتے ہیں جن پر ہمارا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عسکری مقولے کے مطابق ہم "اچھے حالات کی توقع کرنے کے ساتھ ساتھ بُرے حالات سے نمٹنے کے لئے بھی تیار ہیں" اور میں یہ بھی واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ہم اس میدان میں تنہا نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی ہمارے ساتھ ہے اور دوست ممالک بھی عالمی برادری اور عالم اسلام کے اکثر و بیشتر ممالک ہمارے ساتھ ہیں اور ان میں بڑے بڑے قابل اعتماد دوست بھی شامل ہیں۔ ایسے دوست جنہوں نے ہمیشہ آڑے وقت پاکستان کی بے لوث مدد کی ہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی ضرور مدد کریں گے۔

بیرونی مدد اپنی جگہ قابلِ قدر، حوصلہ افزا اور باعثِ تشکّر ہے، لیکن دفاع کی اصل بنیاد ہمارا اندرونی اتحاد اور قومی یک جہتی ہے اور اس قومی اتحاد کی اساس وہ دینِ اسلام ہے جو ہماری سیاسی اور ملی زندگی کا صحیح محور ہے۔ لہٰذا قبائلی باشندوں کے اس عظیم الشان اجتماع میں، مَیں تمام اہلِ وطن کو بھی تلقین کروں گا کہ آپ ہرگز اشتعال میں نہ آئیں، صبر و تحمل سے کام لیں، اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں، حالات پر نظر اور اپنے آپ پر اعتماد رکھیں ——— انشاءاللہ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہمارے ساتھ ہے پاکستان کی آن اور سلامتی پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

پاکستان پائندہ باد

پریس کانفرنس سے خطاب

۱۳ جنوری، ۱۹۸۰ء

۱۳ جنوری، ۱۹۸۰ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے گورنر ہاؤس پشاور میں ایک پُر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس سے پہلے صدر نے ایک قبائلی جرگے سے خطاب کیا تھا اور افغان صورتِ حال کے حوالے سے، ملک کو درپیش مسائل پر روشنی ڈالی تھی۔ اس موقع پر قبائلی عمائدین نے صدرِ مملکت سے درخواست کی تھی کہ وہ افغانستان میں غیر ملکی فوجی جارحیت کے خلاف جہاد کا اعلان کریں، لیکن صدر نے قبائل کو مشورہ دیا کہ وہ حکومت کو صورتِ حال سے نمٹنے دیں۔ شام کو پریس کانفرنس میں صدر کی اس تقریر اور قبائل کے اس مطالبے کا ذکر بھی آیا۔

پریس کانفرنس میں غیر ملکی صحافیوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ ان میں کئی صحافی برطانوی وزیر خارجہ لارڈ کیرنگٹن کے دورے کے سلسلے میں پاکستان پہنچے تھے۔ لارڈ کیرنگٹن دو روز بعد پاکستان پہنچنے والے تھے۔

پریس کانفرنس میں زیادہ تر افغانستان میں روسی جارحیت اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں سوالات کیے گئے۔ نئی صورتِ حال میں پاک امریکی تعلقات کا سوال بھی بار بار زیرِ بحث آیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

صحافی حضرات !

السلام علیکم ۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات کو یہاں قیام کے دوران کوئی تکلیف نہیں ہوئی ہوگی ۔ آپ میں سے جو صحافی بیرونی ممالک سے تشریف لائے ہیں میں انہیں پاکستان میں خوش آمدید کہتا ہوں ۔ مجھے یہ قطعی توقع نہیں تھی کہ پشاور میں صحافی اتنی بڑی تعداد میں موجود ہوں گے ۔ میں جب یہاں پہنچا تو گورنر صاحب نے بتایا کہ غیر ملکی صحافی خاصی تعداد میں آئے ہوئے ہیں ۔ میں آپ سب کو پشاور میں بھی خوش آمدید کہتا ہوں ۔

آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ جنگ پاکستان میں نہیں ہو رہی ۔ ہم پاکستان میں جنگی ماحول پیدا نہیں کرنا چاہتے، لیکن میرے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ دنیا کو اس علاقے کے واقعات اور حقائق کا علم ہو ۔ آپ قلم کے بادشاہ ہیں آپ ہی دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ اس علاقے میں کیا ہو رہا ہے، یہاں کیا واقعات رونما ہو رہے ہیں اور کیا حالات ہیں ۔ ان مختصر ابتدائی کلمات کے ساتھ میں آپ کو سوالات کی دعوت دیتا ہوں ۔ جس موضوع پر چاہیں سوال کریں ۔

سوال: جناب صدر! کیا آپ کو ایسی کوئی صورتِ حال نظر آئی ہے کہ پاکستان افغان مجاہدینِ آزادی کو امداد دینے لگے؟

جواب: قطعی نہیں! میں اس بارے میں واضح طور سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا کوئی ارادہ نہیں۔ اب تک پاکستان کی سرزمین پر پانچ لاکھ افغان مہاجرین پناہ لے چکے ہیں۔ انہیں یہاں آئے ڈیڑھ سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا ہے۔ اپریل ۱۹۷۸ء میں کابل میں حکومت کا تختہ الٹا گیا تھا۔ ۲۷ر اپریل ۱۹۷۸ء کو پہلے انقلاب کے بعد سے ہی افغان مہاجرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ گزشتہ پانچ چھ ماہ کے دوران ان کی تعداد میں اضافے کی رفتار تیز ہوگئی ہے۔ ۲۵ر دسمبر کے بعد سے اب تک یعنی ایک ماہ سے بھی کم عرصے میں بیس ہزار مہاجرین پاکستان آئے ہیں۔ ہم افغان مہاجرین کی دیکھ بھال انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کر رہے ہیں۔ ہم ان کی امداد کو اپنا فرض سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے پڑوسی ہیں، وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں اور انہیں مدد کی ضرورت ہے لیکن ہم کسی ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے اور نہ کسی دوسرے کو یہ اجازت دیں گے کہ وہ ہمارے ملک کے معاملات میں مداخلت کرے۔

سوال: قبائل نے آج صبح آپ سے مطالبہ کیا ہے کہ جہاد کا اعلان کیا جائے۔ اگر وہ لڑائی میں شامل ہو گئے تو آپ کیا کریں گے؟

جواب: جس مطالبے کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ بعض قبائلی سرداروں نے کیا تھا۔ جہاں تک قبائل کا تعلق ہے، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کا کچھ حصہ پاکستان میں رہتا ہے اور کچھ حصہ افغانستان میں۔ ایسے قبائل افغانستان میں جو کچھ کرتے ہیں وہ ان کا معاملہ ہے۔ انہوں نے مجھ سے اعلانِ جہاد کا مطالبہ کیا اور میں نے ان سے کہا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان کا اپنا معاملہ ہے، لیکن ہم اس سے

لاتعلق نہیں رہ سکتے کیونکہ اس کا ہم پر براہ راست اثر پڑ رہا ہے۔ اب دیکھئے کہ پانچ لاکھ افغان مہاجرین یہاں آچکے ہیں۔ اس علاقے میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ کیا دنیا کا ضمیر افغانستان کے واقعات پر خاموش رہے گا۔ یہاں کھلی جارحیت ہوئی ہے اور ہم اصولوں کی بنیاد پر اس کی مذمت کرتے ہیں، ہم نے ان قبائل سے کہا کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا جب آپ کو آگے آنا پڑے۔ آپ حکومت کو موقع دیں کہ وہ صورتِ حال کا مقابلہ کرے۔ ہمارے پاس لائقِ اعتماد دفاعی قوت موجود ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آئندہ انہیں اور بہتر سازوسامان بھی ملے گا اور ہماری افواج زیادہ جدید ہتھیاروں سے لیس ہوں گی، لیکن اگر موقع آیا تو حکومت خود آپ سے رجوع کرے گی۔ فی الحال آپ حکومت کو صورتِ حال سے نمٹنے دیں۔

سوال: جنابِ صدر! کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ آپ نے روسی فوجوں کے پاکستانی سرحدوں کے قریب آجانے کی وجہ سے اس علاقے میں اپنے دفاعی انتظامات کئے ہیں یا نہیں؟

جواب: نہیں! ہم نے اس علاقے میں نقل وحرکت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ہم نے اپنے دفاعی انتظامات کو مستحکم کرنا شروع نہیں کیا۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ ہمارے حسبِ معمول دفاعی منصوبے کا حصہ ہے۔ دنیا کے تمام ممالک بیرونی جارحیت کے خلاف اپنے منصوبے تیار رکھتے ہیں چاہے یہ جارحیت مشرق کی طرف سے ہو، مغرب کی طرف سے ہو یا کسی بھی طرف سے ہو۔ لہٰذا ہماری مجموعی دفاعی پالیسی کے حصے کے طور پر ہمارا اپنی سرحدوں کے دفاع کا ایک منصوبہ ہے۔ اگر اس علاقے میں کوئی سرگرمی ہوئی ہے تو وہ اسی دفاعی منصوبے کے مطابق ہوئی ہے۔

سوال: جنابِ والا! کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مزید فوج اس علاقے میں نہیں بھیجی،

مزید ہوائی جہاز یہاں نہیں بھیجے، ٹینک نہیں بھیجے، فوج کو الرٹ نہیں کیا یا.....

جواب: نہیں، یہ مطلب نہیں۔ ہم نے کچھ دفاعی اقدامات کئے ہیں۔ میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہم نے اپنے مجموعی دفاعی منصوبے کے مطابق کچھ اقدامات کئے ہیں۔

سوال: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کیا کیا دفاعی اقدامات کئے گئے ہیں؟

جواب: نہیں! دفاعی منصوبوں کی تفصیل کھلے جلسوں میں نہیں بتائی جاتی۔

سوال: جناب والا! امریکہ کی طرف سے پاکستان کو ہتھیاروں کی سپلائی پر جو پابندی ہے اس کے خاتمے کے سلسلے میں کوئی کارروائی ہوئی ہے؟

جواب: ہمیں براہ راست تو کوئی اطلاع نہیں دی گئی کہ امریکہ نے پاکستان کو ہتھیاروں کی سپلائی پر سے پابندیاں ہٹالی ہیں۔ درحقیقت پاکستان کو ہتھیاروں کی سپلائی پر کوئی پابندی یا Embargo اس وقت نہیں ہے۔ یہ پابندی تو ۷۶-۱۹۷۵ء میں اٹھالی گئی تھی، لیکن اس کے بعد پاکستان کو ہتھیاروں کی فروخت کو محدود کر دیا گیا تھا۔ امریکی حکومت کا یہ اقدام ایٹمی ٹیکنالوجی کے میدان میں پاکستان کے مختصر سے تحقیقی پروگرام کی وجہ سے تھا۔ ہتھیاروں کی سپلائی کو اسی پس منظر میں محدود کیا گیا تھا اور چند روز پہلے صدر کارٹر نے جب مجھ سے بات کی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ پاکستان کو اسلحہ کی فروخت کی فوری منظوری دے رہے ہیں اس سے زیادہ ہمیں اور کچھ معلوم نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ موجودہ حالات میں سائمنگٹن کی ترمیم اور گلن کی ترمیم یا ایسی کسی اور پابندی کی نوعیت کیا ہے اور امریکہ کی طرف سے پاکستان کو اسلحہ کی فراہمی میں کیا رکاوٹیں ہیں۔

سوال: جناب والا! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کا ایٹمی تحقیق کا پروگرام اب کس مرحلے پر ہے؟

جواب: میں کئی بار واضح طور سے کہہ چکا ہوں کہ پاکستان نہایت مختصر پیمانے پر ایٹمی تحقیق اور

تجربات میں مصروف ہے اور ہم ایٹمی ٹیکنالوجی کو ترقی دینا چاہتے ہیں تاکہ توانائی کے شعبے میں اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ ہمارے پاس توانائی کے روایتی وسائل اتنے کم ہیں کہ موجودہ دہائی کے آخر تک چل سکتے ہیں اس کے بعد اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہمیں متبادل وسائل کی ضرورت ہوگی اور یہ متبادل وسائل ایٹمی ٹیکنالوجی کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں، اور میں صاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ ہم ایٹم بم نہیں بنا رہے۔ ہم ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال کے سوا کسی اور شعبے میں تحقیق نہیں کر رہے۔

سوال: جناب! آپ نے قومی اتحاد کے متعلق فرمایا ہے کہ ہمیں اس وقت قومی اتحاد کی ضرورت ہے۔ یہ اتحاد کیسے ہو سکتا ہے جب کہ گزشتہ ۳۲ سال سے سیاستدانوں نے اس قوم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ قومی اتحاد کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: میرے خیال میں آج پاکستان میں جتنا اتحاد، جتنی قومی یک جہتی ہے اس سے پہلے کبھی نہیں پائی گئی۔ یہ آپ کے سامنے ایک نمونہ ہے۔ میں آج شاہی باغ میں کہہ کر آرہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی بہتری ہوتی ہے آج ہماری سرحدوں پر اگر جارحیت کا خدشہ ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہتری ہے۔ میرے خیال میں اس سے زیادہ بہتر موقع اور نہیں آئے گا پاکستان کے لئے، پاکستان کے سیاستدانوں کے لئے۔ یہ ایک بڑا اچھا موقع ہے کہ وہ قوم کی رہنمائی میں نمایاں کردار ادا کریں۔

سوال: جنابِ صدر! آپ کی اجازت سے میں ایک اور سوال کرنا چاہتا ہوں۔ امریکہ کی طرف سے پاکستان کو اسلحہ کی سپلائی کے موضوع پر واپس آتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ میری معلومات کے مطابق پاکستان امریکہ سے صرف ہتھیار نہیں چاہتا، اس کے علاوہ بھی کچھ چاہتا ہے۔ پاکستان کے نقطۂ نظر سے پاک امریکی تعلقات میں سرد مہری آچکی ہے۔ گزشتہ دس بارہ سال سے یہ تعلقات انتہائی ناخوشگوار ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ صرف ہتھیار ہی نہ ملیں بلکہ

یہ تعلقات بھی ٹھیک ہوں کیونکہ روسی اس وقت آپ کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں۔

پاکستان مغربی دنیا کا مشترک دوست ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو ہتھیار ملیں تو وہ مجموعی تعلقات کے ایک حصے کے طور پر ملیں۔ یعنی آپ ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ اقتصادی امداد' قرضوں کی ادائیگی میں سہولتیں اور دوسری رعائتیں بھی چاہتے ہیں۔ کیا امریکہ کے ساتھ پاکستان کے تعلقات اور توقعات کا یہ اندازہ درست ہے؟ اور اگر نہیں تو کیا آپ بتائیں گے کہ اس وقت درپیش تمام مسائل پر آپ کا موقف کیا ہے؟

جواب: میں کوشش کروں گا کہ آپ کے سوال کا مختصر جواب دوں۔ یہ صحیح ہے کہ پاکستان کے امریکہ سے بہت اچھے تعلقات رہے ہیں۔ ہمارے درمیان مساویانہ بنیادوں پر اور پاکستان کی آزادی اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے سوال پر مکمل مفاہمت اور ہم آہنگی رہی ہے ہمارا امریکہ کے ساتھ ایک دوطرفہ معاہدہ بھی ہے۔ ۱۹۵۹ء کا معاہدہ۔ ہمیں اس سلسلے میں کچھ تلخ تجربات بھی ہوئے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں اور پھر ۱۹۷۱ء میں ہمیں بہت تلخ تجربہ ہوا۔ ہم اسے بھی فراموش کرنے پر تیار ہیں، لیکن پھر پاکستان کی طرف سے ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول کی کوششوں پر امریکہ کی طرف سے مخالفانہ ردِ عمل ظاہر کیا گیا اور کچھ اختلافات پیدا ہوئے۔ بہر حال، مجھے توقع ہے کہ ہم سب کچھ فراموش کر کے نئے سرے سے آغاز کر سکتے ہیں۔ آئندہ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کس نہج پر ہوں، کوئی بھی مفاہمت ہو اور امریکہ سے چاہے جن خطوط پر نئے تعلقات استوار ہوں، یہ بات اہم ہے کہ پاکستان امریکی امداد چاہتا ہے تو صرف امداد نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ پاک امریکی تعلقات پائیدار ہوں، لائق اعتبار ہوں۔ پائیداری اور اعتبار یہ دو الفاظ میرے نقطہ نظر کو واضح کر سکتے ہیں۔ پاکستان اپنے دفاع کو جدید اور مستحکم بنانے کے لئے فوجی امداد یقیناً چاہتا ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ پاکستان اقتصادی

طور پر مضبوط ہو اور اقتصادی استحکام کو ہم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔

سوال : جناب صدر! لارڈ کیرنگٹن جو اس ہفتے یہاں آرہے ہیں اگر وہ اپنے ساتھ کوئی ایسی وسیع تر تجویز لائیں جس میں شاید کئی مغربی ممالک شامل ہوں تو کیا آپ ایسی تجویز کو زیادہ پسند کریں گے بہ نسبت اس تجویز کے جو امریکہ نے پیش کی ہے؟

جواب : جب موقع آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اگر لارڈ کیرنگٹن کوئی تجاویز لا رہے ہیں تو پہلے ہم یہ تو دیکھ لیں کہ تجاویز ہیں کیا۔

سوال : آپ کو پہلے سے اس طرح کی تجاویز موصول نہیں ہوئیں؟

جواب : نہیں جناب۔ ہمیں اس سلسلے میں کوئی اطلاع نہیں۔

سوال : جناب صدر! کیا مزید افغان مہاجرین پاکستان آئیں گے؟ بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ افغان صورت حال طول پکڑے گی۔

جواب : میں نے آپ کو بتایا ہے کہ ۲۵ دسمبر سے آج تک کے مختصر عرصے میں مہاجرین کی آمد کی رفتار پچھلے سال یا گزشتہ مہینوں کے مقابلے میں بہت زیادہ رہی ہے۔ ان چند ہفتوں میں بلکہ دو ہفتوں میں بیس ہزار مہاجرین آئے ہیں۔ ہمارا خیال یہی ہے کہ اس تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا اور افغانستان میں فوجی کارروائی کی شدت میں اضافے کے ساتھ ساتھ مہاجرین کی آمد میں بھی اضافہ ہوگا اور میرا خیال ہے افغان مہاجرین کی تعداد دس لاکھ تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ ہمیں یہی مسئلہ درپیش ہے۔

سوال : افغان مہاجرین کی دیکھ بھال کے لئے آپ کی کوششوں میں تعاون کے لئے باہر سے جو امداد آرہی ہے وہ کافی ہے یا اس میں خاصے اضافے کی ضرورت ہے؟

جواب : باہر سے جو امداد آرہی ہے وہ سمندر میں قطرے سے زیادہ نہیں۔ اب تک افغان مہاجرین کے لئے تمام مالی اور دیگر مادی وسائل پاکستان ہی فراہم کرتا رہا ہے یہ تو ابھی کچھ

عرصہ پہلے کی بات ہے کہ اقوامِ متحدہ کے مہاجرین سے متعلق بین الاقوامی ادارے کی طرف سے ہمیں علامتی نوعیت کی بہت محدود امداد وصول ہوئی ہے۔ کچھ مادّی امداد مغربی جرمنی سے آئی ہے۔ کچھ امداد انگلینڈ سے موصول ہوئی ہے بلکہ کل ہی پہنچی ہے اس کے علاوہ بعض مسلمان ملکوں کی طرف سے کچھ مالی اور مادّی امداد ملی ہے لیکن اس وقت کی ضروریات کو سامنے رکھیں تو یہ ساری امداد سمندر میں قطرے سے زیادہ نہیں۔ آپ اس بات سے اندازہ لگائیں کہ پاکستان اس وقت ۱۶ لاکھ روپے روزانہ خرچ کر رہا ہے۔ آپ دس سے تقسیم کر کے ڈالر میں روزانہ خرچ کا حساب خود لگا سکتے ہیں۔ پاکستان جیسے ملک کے لئے جس کے اپنے وسائل بہت زیادہ نہیں ہیں، یہ کوئی معمولی خرچہ نہیں ہے۔

سوال: جنابِ صدر! کیا افغانستان میں حالیہ واقعات کے بارے میں چین سے کوئی رابطہ ہوا ہے؟

جواب: ہم عام حالات میں بھی چین سے قریبی رابطہ رکھتے ہیں۔ ہماری سرحدوں پر جو واقعات رونما ہو رہے ہیں، ان کی وجہ سے حالات غیر معمولی ہو گئے ہیں۔ لہٰذا آپ یقین رکھیں کہ چین سے ہمارا نہ صرف رابطہ ہے بلکہ انتہائی قریبی رابطہ ہے۔

سوال: جنابِ صدر! کیا آپ امریکہ سے تعلقات کے سوال پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ آپ لائقِ اعتبار تعلقات کے متلاشی ہیں۔ امریکہ آپ کو اور پاکستان کو کس طرح یقین دلائے کہ وہ آپ کا لائق اعتبار اور مستقل اتحادی ہے۔

جواب: میرے خیال میں اس سوال کا جواب مجھے نہیں صدر کارٹر کو دینا چاہیئے۔

سوال: جنابِ صدر! میرا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کارٹر یہ سمجھیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ لائق اعتبار بھی ہے اور پائیدار بھی، جب کہ آپ اسے ایسا نہ سمجھیں۔

جواب: میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہوگا کہ ہم امریکہ جیسی سُپر پاور کے صدر کے خیالات پر شبہ

کریں۔ ان کے مشیر انتہائی ذہین لوگ ہیں اور مجھے ان مشیروں کی معلومات اور پاکستان کی جغرافیائی سیاسی صورتِ حال کے بارے میں ان کے علم پر ذرا بھی شبہ نہیں ہے اور پاکستان کی ضروریات کا اندازہ لگانے کے بارے میں ان کی صلاحیت بھی شبہ سے بالاتر ہے، اور میرا خیال ہے کہ انہیں تاریخ کا علم مجھ سے زیادہ ہے۔

سوال : جنابِ صدر! اس سے پہلے ہمیں بتایا گیا تھا کہ آپ کی حکومت اور امریکی حکومت کے درمیان اس موضوع پر بات چیت ہو رہی ہے کہ کیا امداد دی جائے۔ کیا آپ اس بات چیت میں پیش رفت سے مطمئن ہیں یا کسی طرح کی مشکلات پیش آ رہی ہیں؟

جواب : نہیں، مشکلات تو نہیں ہیں۔ مجھے اب تک جو اطلاعات ملی ہیں ان کے مطابق یہ بات چیت بہت اچھی اور حوصلہ افزا ہے۔ اس سلسلے میں مزید معلومات کل ملیں گی جب ہمارے وہ نمائندے واپس آئیں گے جو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے خصوصی اجلاس میں شرکت کے لئے نیویارک گئے ہوئے تھے، لیکن اب تک جو اطلاعات ملی ہیں ان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ مفاہمت ہو گئی ہے۔

سوال : جنابِ صدر! اس بارے میں بڑی قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں کہ روسی بحرِ ہند تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں بلوچستان میں روسی آ جائیں گے اور براہ راست آپ کے ملک پر زد پڑے گی؟

جواب : سب سے پہلے میں ایک بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ مغربی ملکوں میں جو لوگ پاکستان کے جغرافیے سے واقف ہیں، ان کو معلوم ہے کہ بلوچستان کا تذکرہ اخبارات میں ضرورت سے کچھ زیادہ آ رہا ہے۔ مغربی ملکوں میں بلوچستان اور پاکستان کی تاریخ کے مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والوں میں یہ تاثر کسی طرح پیدا ہو گیا ہے کہ بلوچستان ایک ایسا کھلا ہوا علاقہ ہے جہاں تخریب کاری، جارحیّت اور علیحدگی کے مواقع ہیں، حالانکہ ایسا نہیں

ہے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ بلوچستان میں رہنے والے بھی اتنے ہی محبِ وطن پاکستانی ہیں جتنے کہ ملک کے کسی اور حصے میں رہنے والے ہو سکتے ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں بلوچستان میں کچھ گڑبڑ ہوئی تھی، لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ گڑبڑ کسی حقیقی مسئلے کی طرف سے نہیں بلکہ سیاسی وجوہ سے پیدا ہوئی تھی۔ کسی بھی دوسرے ملک کی طرح پاکستان کے وہ حصے بھی جو افغانستان سے ملحق ہیں، وہاں تخریب کاروں کا امکان ہے۔ سرحد سے ملحق علاقوں کو چھوڑیئے، ملک کے اندرونی علاقے بھی تخریب کاری کا اسی طرح شکار ہو سکتے ہیں جس طرح کسی اور ملک کا کوئی حصہ تخریب کاری کا شکار ہو سکتا ہے۔ کیا دنیا کے کسی اور ملک میں قوم دشمن عناصر کام نہیں کر رہے۔ آپ امریکہ، برطانیہ یا کسی بھی مغربی یورپی ملک کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ وہاں بھی کچھ نہ کچھ ملک دشمن عناصر سرگرم رہے ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان تنہا کوئی مثال نہیں ہے۔ لہٰذا میں یہ کہوں گا کہ اگرچہ بلوچستان کا صوبہ افغانستان سے ملحق ہے، لیکن یک جہتی، قومی احساس اور حب الوطنی کے اعتبار سے بلوچستان اتنا ہی مضبوط اور مستحکم ہے جتنا کہ پاکستان کا کوئی دوسرا صوبہ۔ بلوچستان میں تخریب کاری کے امکانات اگر زیادہ ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ وہ علاقہ جغرافیائی لحاظ سے ایسا ہے اور ملک دشمن عناصر کو خطے کے جغرافیائی حالات کی وجہ سے کچھ سہولت ہو سکتی ہے۔

سوال: جنابِ صدر! آج صبح آپ نے اپنی تقریر میں پاکستان میں قومی یک جہتی کی زبردست اپیل کی ہے۔ کیا آپ نے یہ اپیل اس وجہ سے کی ہے کہ آپ کو یقین نہیں ہے کہ قومی یک جہتی موجود ہے؟

جواب: ازراہِ کرم اپنا سوال دہرا دیجئے۔

سوال : کیا آپ کو خدشہ ہے کہ پاکستان میں قومی یک جہتی نہیں ہے ؟

جواب : نہیں، نہیں ! ایسا نہیں ہے ۔ جب آپ کسی کو صبح بخیر کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ صبح بُری ہے اور آپ اسے اچھا کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ تو کسی چیز پر زور دینے کا ایک انداز ہے ۔ یہ تو سربراہِ مملکت کی طرف سے اہلِ وطن کو یاد دہانی ہے کہ اتحاد میں ہی ملک کی نجات ہے ۔ یہ بھی نہ بھولئے کہ پاکستان کو قائم ہوئے صرف ۳۲ سال گزرے ہیں ۔ پاکستان اس عرصے میں کئی تجربات سے گزرا ہے ۔ تین بار یہاں مارشل لا لگا ہے ۔ ہم نے جمہوریت کا تجربہ کیا اور کئی دوسرے شعبوں میں تجربے ہوئے ۔ ہمارے ہاں پرائم منسٹر بھی ہوئے ، صدر بھی ہوئے ۔ بہت کچھ ہوا ۔ سیاسی انتشار بھی ہوا لہٰذا یہ قدرتی بات ہے کہ میں ایک ایسے وقت میں جب کہ آپ کے مغربی معیار کے مطابق پاکستان میں نمائندہ حکومت نہیں ہے ، اتحاد کی اپیل کروں ۔ آپ کو اس طرح کا خدشہ ہو سکتا ہے کہ کہیں پاکستان ختم ہی نہ ہو جائے، لیکن آپ یقین رکھئے کہ آج پاکستان جتنا متحد اور مستحکم ہے اتنا پہلے کبھی نہیں رہا ۔ اس کا کریڈٹ میں خود نہیں لینا چاہتا ۔ کریڈٹ پاکستان کے عوام کا اور میرے رفقار کا ہے جن میں سے اکثریت سویلین ہے، اور صرف چند کا تعلق فوج سے ہے ۔ لہٰذا میری اپیل کی نوعیت بات پر زور دینے کی ہے اور رہنمائی کی بھی کہ ہمیں متحد رہنا چاہیئے کیونکہ اتحاد ہی میں ہماری نجات ہے اور یہ اپیل تو میں نے آج کی ہے ، ۳۱ سال پہلے جب پاکستان نیا نیا وجود میں آیا تھا، اس وقت بابائے قوم نے ہمیں اتحاد ، ایمان اور تنظیم کا سبق دیا تھا ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب بابائے قوم نے یہ Motto دیا تو ہم میں ان چیزوں کا فقدان تھا ۔

میں آخر میں آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ مجھے اُمید ہے کہ غیر ملکی

صحافیوں کا پاکستان میں قیام پُر لطف رہے گا۔ میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں امن وامان ہے۔ہماری کسی سے جنگ نہیں ہو رہی۔اس لئے یہاں سے جاکر ایسی باتیں نہیں لکھیئے گا کہ جنگ کا بخار شروع ہو جائے۔ بہت بہت شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

پریس کانفرنس سے خطاب

۱۵ جنوری، ۱۹۸۰ء

۱۵ جنوری، ۱۹۸۰ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سیکرٹریٹ میں ایک پُرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ برطانوی وزیر خارجہ لارڈ کیرنگٹن اس وقت پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ مغربی صحافیوں کی بہت بڑی تعداد کا اس موقع پر پاکستان میں موجود ہونا اس دورے کی اہمیت کی دلیل ہے۔ صدرِ مملکت نے لارڈ کیرنگٹن کے دورے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس دورے سے مغربی دنیا کو افغانستان میں روسی جارحیت اور متعلقہ مسائل پر پاکستان کا نقطۂ نظر سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اس پریس کانفرنس میں بھی دو روز پہلے پشاور کی پریس کانفرنس کی طرح زیادہ تر سوالات افغان صورتِ حال کے بارے میں تھے۔ صدر نے افغانستان میں روسی فوجی مداخلت کے پیچھے کارفرما عوامل کے بارے میں اپنا ایک تجزیہ بھی پیش کیا۔ اس کے علاوہ پاک امریکی تعلقات، افغان مہاجرین اور بعض دوسرے معاملات پر بھی سوالات کئے گئے، لیکن کم و بیش پوری پریس کانفرنس میں افغانستان کا مسئلہ ایک مستقل پس منظر کے طور پر موجود تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العٰلمین والصلوٰۃُ والسلامُ علیٰ خاتم النبیین

خواتین و حضرات !

السلام علیکم ۔ یہ پریس کانفرنس خصوصی نوعیت کی ہے ۔ اس وجہ سے نہیں کہ میں کوئی خاص بات کہنے والا ہوں بلکہ اس وجہ سے کہ اس وقت ہمارے ملک میں ایک انتہائی ممتاز مہمان موجود ہیں ۔ آپ نے لارڈ کیرنگٹن کے بارے میں سن لیا ہوگا ۔ ان کے ساتھ خاصی تعداد میں صحافی آئے ہیں ۔ میں چونکہ برطانیہ سے آنے والے اپنے صحافی دوستوں سے خاص طور پر ملنا چاہتا تھا، اس لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس موقع پر راولپنڈی ، اسلام آباد میں مقیم اخباری نمائندوں کو بھی شامل کر لیا جائے ۔ لہٰذا اس پریس کانفرنس کی اصل وجہ اپنے غیر ملکی مہمانوں اور یہاں مقیم اخباری نمائندوں سے ایک ساتھ ملاقات کی خواہش ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے ذہن میں بے شمار سوالات ہوں گے ۔ میں کوشش کروں گا کہ جہاں تک ممکن ہو آپ کے سوالات کا جواب دوں ۔ آپ اس انتہائی اہم جغرافیائی سیاسی تبدیلی سے یقیناً پوری طرح آگاہ ہوں گے جو حال ہی میں اس علاقے میں رونما ہوئی ہے ۔ اس صورتِ حال کے بے شمار مضمرات ہیں اور ہمیں ان کا جائزہ

لینا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات جو خبروں کے بادشاہ ہیں، اپنے ساتھ اور اپنے سامنے رونما ہونے والے واقعات سے پورا انصاف کریں گے کیونکہ دوسری صورت میں آئندہ نسلیں آپ کو معاف نہیں کریں گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دوسروں کو آئندہ نسلیں معاف کر دیں گی، لیکن صحافیوں کو تو ہرگز معاف نہیں کریں گی کیونکہ آپ کو انتہائی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ لہٰذا میں مزید کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں کیا سوالات ہیں۔

سوال: جنابِ صدر! کچھ دن بعد اسلامی وزرائے خارجہ کا جو اجلاس ہونے والا ہے کیا آپ اس اجلاس میں مسلمان ملکوں کے ایک اقتصادی اور فوجی دفاعی معاہدے کی تیاری کے لئے کوشش کریں گے؟

جواب: اسلامی کانفرنس کے لئے نہ تو کوئی خاص پلان ہمارے پاس ہے اور نہ اس کانفرنس کے انعقاد پر آمادگی پیدا کرنے کے لئے ہم نے کوئی کوشش کی ہے۔ یہ کانفرنس اس صورتِ حال پر غور کے لئے طلب کی گئی ہے جو افغانستان میں پیدا ہوتی ہے۔ افغانستان ایک مسلمان ملک ہے۔ افغانستان غیر جانبدار تحریک کا رکن ہے۔ اسلامی ممالک نے یہ مناسب سمجھا کہ اس صورتِ حال پر غور کرنے کے لئے اور یہ طے کرنے کے لئے کانفرنس کے اجلاس کا فیصلہ کیا کہ اس صورتِ حال میں اسلامی ممالک باہم مل کر کیا بہترین اقدام کر سکتے ہیں۔ اسلامی وزرائے خارجہ اس ماہ کی ۲۶ تاریخ کو یہاں پہنچنے والے ہیں۔ اس کانفرنس کے نتائج تو بعد میں معلوم ہوں گے۔ ہمیں امید ہے کہ جو واقعات ہوئے ہیں ان پر ایک متفقہ رائے کا اظہار کیا جائے گا اور صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔

سوال: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اگر روسی افواج سرحد پار کر کے آپ کے علاقے میں آئیں تو کیا آپ اپنی فوج کو فائر کھولنے کی ہدایات دیں گے؟

جواب : یہ ایک عام فوجی قاعدہ ہے کہ جب کوئی غیر ملکی جارحیت کی نیت سے کسی کے علاقے میں داخل ہوتا ہے تو اس سے معانقہ نہیں کیا جاتا۔ میرے خیال میں اس سے بات واضح ہو جانی چاہیئے۔

سوال : اس طرح کی خبریں آتی ہیں کہ امریکہ پاکستان کو چالیس کروڑ ڈالر کی فوجی اور اقتصادی امداد دینے پر غور کر رہا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے ؟

جواب : سچی بات یہ ہے کہ ابھی تک قطعیت کے ساتھ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ امریکہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ان سے ابتدائی مذاکرات ہوئے ہیں۔ یہ مذاکرات ان سوالات کے نتیجے میں ہوئے تھے جن کا جواب ہم نے مانگا تھا۔ ان سوالات کا تعلق کچھ ٹھوس حقائق سے ہے جن کے بارے میں معلومات ہمارے پاس ہونی چاہئیں۔ ان مذاکرات میں ایسے ہی معاملات پر تبادلہ خیال ہوا ہے باقی جو کچھ ہے وہ قیاس آرائی ہے۔

سوال : کیا اس سلسلے میں آپ نے ابتدائی بات چیت کی ہے ؟

جواب : ہاں ! تبادلۂ خیال کے بارے میں اب تک مجھے جو رپورٹ ملی ہے وہ اس لحاظ سے مثبت ہے۔ اگر اسے ایک حوصلہ افزا علامت سمجھا جائے تو پھر دیکھنا یہ ہو گا کہ ان مذاکرات کے بعد عملی اقدامات ہوتے ہیں یا مذاکرات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اب دار و مدار اس پر ہے کہ آگے بات کیسے چلتی ہے۔

سوال : کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ لارڈ کیرنگٹن کے دورۂ پاکستان سے آپ کی توقعات کیا ہیں ؟

جواب : میں نے جو کچھ سنا ہے وہ یہ ہے کہ لارڈ کیرنگٹن ایک مطالعاتی دورے پر ہیں۔ میرے خیال میں انہیں یہ جاننے سے گہری دلچسپی ہے کہ اصل صورت حال کیا ہے اور متاثرہ علاقوں میں جن میں سے پاکستان ایک ہے کیا احساسات پائے جاتے ہیں۔ وہ یہاں سے بھارت

جا رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھارت افغان صورتِ حال سے براہ راست متاثر ہوتا ہے، لیکن اس صورتِ حال میں بھارت کی دلچسپی فطری بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ برطانوی وزیرِ خارجہ افغانستان کی صورتِ حال اور واقعات کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد انتہائی نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔

سوال : کب تک ؟ کس طریقے سے ؟

جواب : میرے خیال میں برطانیہ کو ماہرانہ تجربہ حاصل ہے۔ اس وقت جو واقعات ان کے مشاہدے میں آرہے ہیں، اسی طرح کے واقعات یوں سمجھئے کہ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اس وقت پیش آئے تھے جب اس علاقے میں برطانیہ کا راج تھا۔ ایک بفر سٹیٹ کے طور پر افغانستان کا کردار اگر پوری طرح برطانوی تخلیق نہیں تھا تو کم از کم اس وقت کی برطانوی خارجہ پالیسی بنانے والوں کے اور شاید برطانوی ہند کی پالیسی بنانے والوں کے ذہن میں افغانستان کی حیثیت یہی تھی۔ میرے خیال میں اس وقت بھی برطانیہ مغربی دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس وقت بھی برطانیہ دوسرے مغربی ممالک کی رائے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ مغربی دنیا کے مطلوبہ حلقوں میں برطانیہ صحیح طرزِ فکر کو ابھار سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ برطانیہ یورپی برادری کا انتہائی بااثر رکن ہے اور دونوں حیثیتوں سے مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے اور ان متاثرہ علاقوں کی اگر فوجی امداد نہیں تو کم از کم اقتصادی اور سیاسی حمایت میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے جو حالیہ واقعات کا مرکز ہیں۔

سوال : ایکسیلینسی ! کوئی خاص طرح کی امداد ہے جو آپ برطانیہ سے چاہتے ہوں مثال کے طور پر اقتصادی امداد یا ہتھیاروں کی فروخت وغیرہ ؟

جواب : نہیں جناب ! میرا پہلا تقاضہ خاص کر برطانیہ سے یہ ہے کہ صورتِ حال کا بھرپور ادراک کیا

جائے۔ میرے خیال میں یہ ہو گیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہمیں سب کچھ مل گیا۔

سوال : کیا آپ کے خیال میں اس کے علاوہ اور بھی کوئی طریقہ ہے جس سے ہم آپ کی مدد کر سکتے ہوں ؟

جواب : پہلی چیز تو تفہیم ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا اگر تفہیم درست ہے تو باقی خود بخود ہو گا اور اگر ہمارے درمیان واقعات کی صحیح تفہیم پر اتفاق ہو، جغرافیائی سیاسی ماحول اور طاقت کے توازن پر یکساں رائے ہو تو یہ کافی ہے اگر اس بات کو سمجھ لیا جائے، اگر برطانیہ صورتِ حال کو اس طرح دیکھنے لگے جس طرح ہم دیکھتے ہیں اور توقع ہے کہ باقی دنیا بھی دیکھتی ہے تو پھر ہمارا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

سوال : جناب والا ! جہاں تک لارڈ کیرنگٹن کا تعلق ہے کیا ان کا ڈاکٹر کسنجر سے کوئی رابطہ ہے؟

جواب : کیوں نہیں ! کیا وہ برطانیہ کے وزیر خارجہ نہیں ہیں ؟ اور سب سے زیادہ توجہ میرے خیال میں آپ کو اس بات پر دینی چاہیئے کہ وہ ایک انتہائی خوش قسمت وزیرِ خارجہ ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ انہوں نے جس طرح رہوڈیشیا میں کیا تھا، اسی طرح وہ انتہائی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ میرے ذہن میں ان کا کردار قیامِ امن کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ ایسے بارسوخ وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے ہے جو معاملات کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ اس علاقے میں کیا ہونا چاہیئے۔

سوال : کیا پاکستان اس علاقے میں ایک نئی بفر سٹیٹ بن رہا ہے ؟

جواب : میرے دیکھنے نہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے جب کہ واقعتاً ایسا ہو چکا ہے۔ اس علاقے میں حقائق تبدیل ہو گئے ہیں۔

سوال : پاکستان کو ایک مؤثر بفر سٹیٹ کس طرح بنایا جا سکتا ہے ؟

جواب : میرے خیال میں برطانیہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بفر سٹیٹ کیا ہوتی ہے، لیکن میں یہ نہیں

کہہ رہا کہ آپ پاکستان کو افغانستان کا نعم البدل بنا لیں لیکن اگر پاکستان کے دروازے پر ایک سپر پاور آ کر کھڑی ہو گئی ہے اور اگر افغانستان میں روسی مداخلت کی وجہ سے رونما ہونے والے حالیہ واقعات نے ماحول کو بدل دیا ہے تو پاکستان توجہ کا مستحق ہے۔

سوال: کیا مسٹر ہوانگ ہوا کے دورۂ پاکستان اور مسٹر براؤن کے دورۂ چین میں افغان صورت حال کے پس منظر میں کوئی تعلق ہے؟

جواب: نہیں! اس کا براہ راست تو کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ جب مسٹر ہوانگ ہوا کے دورے کے انتظامات کئے جا رہے تھے تو ہمیں اس کے بہت بعد مسٹر براؤن کے دورۂ چین کا علم ہوا تھا۔ چینی وزیر خارجہ جوابی دورے پر پاکستان آئے تھے۔ اس دوران وہ نئے واقعات سے دوچار ہو گئے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ان اہم واقعات کے بارے میں کھل کر اظہار خیال کرتا رہا ہوں۔ اس وقت ہم انتہائی نازک دور سے گزر رہے ہیں لہٰذا جہاں تک چین سے ہمارے تعلقات کا سوال ہے، وزرائے خارجہ کی سطح پر تبادلۂ خیال کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔

سوال: ماضی میں پاکستان کو یہ شکایت رہی ہے کہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں امریکہ کی طرف سے دفاعی سامان کی سپلائی روک دی گئی تھی۔ اس بار آپ کس طرح کی ضمانتیں طلب کرنا چاہیں گے تاکہ ہتھیاروں کی یا سپیئر پارٹس کی سپلائی نہ روکی جائے؟

جواب: اگر آپ میری جگہ ہوں تو آپ کیا کریں گے؟ آپ میری جگہ ہوں تو آپ کی توقعات کیا ہوں گی؟ میں اس سوال کا جواب آپ پر چھوڑتا ہوں۔

سوال: عملی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو امریکی وقت ضائع کر رہے ہیں اور آپ کو ہتھیار دینے سے کم از کم ہچکچا ضرور رہے ہیں۔ مسٹر ہوا جب یہاں آئیں گے تو کیا آپ ان سے اس طرح کے ہتھیار مانگیں گے۔ جس طرح کے ہتھیار آپ کو امریکہ نے ابھی تک فراہم نہیں کئے

ہیں ؟

جواب : میں آپ کا سوال نہیں سمجھا۔ ازراہِ کرم دوبارہ فرمایئے۔

سوال : جب تک امریکی آپ کو وہ ہتھیار دینے میں لیت و لعل کر رہے ہیں جو آپ نے ان سے مانگے ہیں تو کیا اس دوران آپ مسٹر ہوا سے اسی طرح کے ہتھیاروں کی درخواست کریں گے ؟

جواب : پہلے میں آپ کے بیان کی تصحیح کروں گا۔ ہم نے ابھی تک امریکہ سے کسی قسم کے ہتھیار نہیں مانگے ہیں۔ ہمیں چین سے ہتھیار مانگنے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ وہ پہلے ہی ہمیں فوجی امداد دیتے رہے ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ ہمارے درمیان تبادلۂ خیال کیا ہوتا ہے، ہمارے چینی دوست صورتِ حال کو کس طرح دیکھتے ہیں اور پاکستان کی ضروریات کیا ہیں اور چین سے اپنے تعلقات کے پیشِ نظر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ چین سیاسی، اقتصادی اور فوجی لحاظ سے ہمارا انتہائی مددگار رہا ہے۔

سوال : جنابِ صدر ! کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ امریکیوں نے مدد کی جو پیش کش کی ہے اس میں پاکستان کی اندرونی سیاست یا پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے متعلق کچھ شرائط بھی شامل ہیں ؟

جواب : نہیں ! بلکہ یہ سوال تو خود ہم نے امریکہ سے پوچھا ہے۔ ابھی تک ہمیں اس کا جواب نہیں ملا۔ البتہ ہمیں امید ہے کہ اگر امریکہ نے پاکستان کی حمایت کا فیصلہ کیا تو امداد غیر مشروط ہوگی۔ اب تک دونوں ملکوں میں اور میرے اور امریکی صدر کے درمیان پیغامات کا جو تبادلہ ہوا ہے اور کل میرے مشیر برائے امور خارجہ نے واپسی پر مجھے جو کچھ بتایا ہے اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ غالباً امریکی بھی کسی طرح کی شرائط کے بارے میں نہیں سوچ رہے لیکن ایک بات بالکل واضح ہے، یہ کہ کوئی بھی ملک

اپنے مفاد کے خلاف کچھ نہیں کیا کرتا۔ بین الاقوامی معاملات میں ہر ملک خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا جب بھی کوئی قدم اٹھاتا ہے تو اپنے قومی مفاد کو سامنے رکھتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس علاقے میں امریکی مفادات سے پاکستان کے قومی مفادات کی نہ تو خلاف ورزی ہوگی نہ یہ ہمارے قومی مفاد سے متصادم ہوں گے۔

سوال: اگر مسٹر کارٹر نے پاکستان کی اندرونی سیاسی صورتِ حال میں تبدیلی یا انسانی حقوق سے متعلق مسائل کے سلسلے میں آپ پر کچھ شرائط عائد کیں تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

جواب: میں نہیں سمجھتا کہ امریکیوں کے ذہن میں ایسی کوئی بات ہے۔ مجھے ان کی طرف سے ابھی تک کوئی عندیہ تو نہیں ملا ہے لیکن مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کسی کو ہمارے اندرونی معاملات سے دلچسپی ہو۔

سوال: آپ نے گزشتہ روز کہا تھا کہ پاکستان کی فوجی Strategy میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ کیا آپ کے خیال میں غیر ملکی فوجیں آپ کی سرحدوں کے زیادہ قریب آجائیں گی یا کوئی ایسی صورتِ حال کہ بیرونی فوجیں افغانستان سے ملحق آپ کے سرحدی علاقوں میں آجائیں؟

جواب: ہمارا اپنا دفاعی منصوبہ ہے ہر ملک کا دفاعی پلان اسکی اہلیت وصلاحیت کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں مختلف حالات سے مطابقت کی گنجائش رکھی جاتی ہے۔ ہم اسی کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ امید ہے جواب واضح ہوگیا ہوگا۔

سوال: کیا آپ ہمیں یہ بتا سکتے ہیں کہ موجودہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستان کو کس قسم کا فوجی سامان درکار ہے۔ اور اگر آپ اجازت دیں تو دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا بھارت کی منتخب وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے آپ جلد ملاقات کی کوشش کریں گے؟

جواب: میں آپ کے دوسرے سوال کا جواب پہلے دوں گا۔ مسز اندرا گاندھی سے ہمارا رابطہ پہلے ہی ہے۔ میں نے خود ان سے بات کی اور انہیں انتخابات میں شاندار کامیابی پر مبارکباد

دی۔ ہم اچھے ہمسایوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں اچھے ہمسایوں کی طرح رہنے دیا جائے ہم کسی بھی لحاظ سے بھارت کے ساتھ کسی مقابلہ میں شریک نہیں ہیں۔ ہم اپنے کسی ہمسائے کے خلاف بُری نیّت یا جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ بھارت بھی ہمارا ہمسایہ ہے اور ہم سے بہت بڑا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ مسز اندرا گاندھی کی حکومت تعلقات کو معمول پر لانے کا وہ عمل جاری رکھے گی جو مسٹر مرارجی ڈیسائی کی سربراہی میں بھارت کی سابقہ حکومت کے ساتھ ہم نے شروع کیا تھا یہ ہمارا کامیاب تجربہ تھا۔ اب آپ کا پہلا سوال یعنی کہ پاکستان کو کس طرح کے فوجی سامان کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے معاملات کا فوجی ماہرین کے مذاکرات میں زیرِ بحث آنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ آپ صحافی حضرات کی معلومات کے لئے میں صرف اتنا کہوں گا کہ پاکستان کو جس فوجی ساز و سامان کی ضرورت ہے، وہ کہیں نہ کہیں سے لینا تو پڑے گا۔ پاکستان کی فوجی سامان تیّار کرنے کی اپنی صلاحیت محدود ہے اور جو ہمیں یہ سامان دیں گے انہیں ہماری ضروریات کا خیال کر کے بڑے پیمانے پر امداد دینی ہوگی اور میں فیصلہ ان کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ صورتِ حال کا نہایت مثبت اندازہ لگائیں گے۔

سوال: کیا آپ اپنے اس تجزیے سے آگاہ کریں گے کہ امریکیوں نے یہ طرزِ عمل کیوں اختیار کیا ہے؟

جواب: میں نہایت اختصار کے ساتھ آپ کو بتاؤں گا۔ افغانستان میں جو کچھ ہوا ہے، اس سے اس پورے علاقے کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ سوویت یونین کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی مسلح افواج (وہ اسے فوجی دستہ کہنا پسند کرتے ہیں) افغان حکومت کی درخواست پر وہاں بھیجی ہیں۔ مسز تھیچر نے مسٹر برزنیو کے نام اپنے خط میں بڑی خوب صورتی سے اس بیان کی صحت کو چیلنج کیا ہے۔ امام خمینی نے بھی یہی پوچھا ہے۔ یعنی روسی فوجیں کس افغان حکومت کی درخواست پر افغانستان میں داخل ہوئی ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ افغان صورتِ حال نے اس

پورے علاقے کی کیفیت بدل دی ہے۔ سوویت یونین جو ابھی تک کسی غیر یورپی ملک میں داخل نہیں ہوا تھا اب پہلی بار اس نے افغانستان میں جو ایک ایشیائی ملک ہے، اپنے دوستوں کی امداد کے نام پر اپنی فوجیں داخل کر دی ہیں۔ یہ پہلی بار ہوا ہے کہ سوویت یونین نے ایک ایسے ملک پر قبضہ کیا ہے جو خود کو مسلمان کہتا ہے اور واقعتاً ہے بھی ایک مسلمان ملک۔ میں گزشتہ روز ایک سوال کا جواب دے رہا تھا۔ کچھ سوالات خود میں نے بھی کئے۔ ان سے آپ میرے تجزیے کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ روسی اقدام کے لئے وقت کے تعین کا تجزیہ کریں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ وقت کا انتخاب انتہائی موزوں تھا۔ ایران خود اپنے اندرونی انقلاب میں الجھا ہوا ہے۔ میں ایران اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ایران ایک آزاد ملک ہے۔ ایران کافی عرصے سے امریکہ کے زیرِ اثر تھا۔ ایران مغرب کا اتحادی تھا۔ ایران تیل پیدا کرنے والا بڑا ملک ہے اور آج کل تیل بے انتہا کشش رکھتا ہے۔ امریکہ اپنے صدارتی انتخابات کی مہم میں لگا ہوا ہے اور سب سے بڑھ کر ایران میں پچاس امریکی یرغمالیوں کا معاملہ ہے۔ امریکہ ایران کے خلاف کسی بھی ممکنہ فوجی اور اقتصادی اقدام کے لئے تیاری کر رہا تھا اور کسی اور طرف اس کی توجہ نہیں تھی۔ باقی دنیا بھی اپنے اندرونی معاملات میں الجھی ہوئی تھی۔ بھارت اپنے انتخابات میں مصروف تھا۔ یہ میں ۲۵ دسمبر سے ۲۸ دسمبر ۱۹۷۹ء تک کے دنوں کی بات کر رہا ہوں۔ پاکستان اپنے اندرونی استحکام اور اقتصادی مسائل وغیرہ میں الجھا ہوا تھا۔ ۲۸ اپریل ۱۹۷۷ء کے دن سے جب کہ افغانستان میں پہلی تبدیلی آئی تھی، اس دن سے ہمارا مسلسل یہ خیال تھا کہ سوویت یونین افغانستان کو اپنی گرفت سے نکلنے نہیں دے گا اور اگر کوئی صورتِ حال پیدا ہوئی تو سوویت یونین فوجی طاقت بھی استعمال کرے گا۔ البتہ میں یہ اعتراف ضرور کروں گا کہ روسی فوجی مداخلت کے صحیح وقت کا تعین ہم نہیں کر سکے۔ یہ ہم سب کے لئے غیر متوقع اور اچانک تھا۔ اب میں جو سوال آپ

سے کرنے والا ہوں اس سے آپ چند بنیادی باتوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ افغانستان میں سوویت یونین کے پیشِ نظر مقاصد کیا ہیں؟ کیا یہ مقاصد اتنے ہی معصومانہ اور سادہ ہیں جیسے کہ کسی دوست کی مدد کو پہنچنا؟ کیا سوویت فوج اس افغان حکومت کے کہنے پر آئی ہے جس نے دسمبر ۱۹۷۸ء کے معاہدۂ دوستی کے تحت مبیّنہ طور پر سوویت یونین سے مدد کی درخواست کی تھی؟ کیا سوویت یونین صرف ایک جغرافیائی خطے کو حاصل کرنا چاہتا ہے حالانکہ وہاں کسی طرح کی معدنیات نہیں ہیں تیل نہیں ہے البتہ وہاں تقریباً ۱۵ ملین لوگ آباد ہیں کیا سوویت عزائم کا تعلق اپنے ان مسلمان علاقوں کا تحفظ ہے جن کی سرحدیں افغانستان سے ملی ہوئی ہیں یا سوویت یونین اس علاقے میں زیادہ بڑے عزائم رکھتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب نہ صرف جغرافیائی سیاسی ماحول کا مطالعہ کرنے والوں، سوویت امور کے ماہرین کو اور پاکستان کے حالات سے دلچسپی رکھنے والوں کو معلوم کرنا چاہیئے بلکہ ہر اس شخص کو ان سوالوں کے جواب کی تلاش ہونی چاہیئے جسے موجودہ حالات میں عالمی امن اور استحکام سے دلچسپی ہے۔ جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ انتشار میں اضافہ کر رہے ہیں اور میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام ذمہ دار ممالک، خاص طور سے مغربی یورپ کے ممالک اور یورپی مغربی دنیا اس تبدیلی کا ادراک کرے جو اس علاقے میں رونما ہو چکی ہے، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی کہا اس واقعہ نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا، لیکن اگر آپ اس علاقے کے نقشے کو افغانستان کے حوالے سے دیکھیں تو آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ افغانستان میں اس تبدیلی سے جن علاقوں پر اثر پڑ سکتا ہے وہ کون سے علاقے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ ایران کہاں واقع ہے، خلیج کہاں واقع ہے، آبنائے ہرمز کہاں واقع ہے، سعودی عرب کہاں ہے اور باقی اسلامی ممالک کہاں ہیں۔ باقی باتوں کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے ذہن

میں جو سوالات تھے ان میں سے چند کا جواب آپ کو مل گیا ہو گا۔

سوال : جناب والا! کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان کو بھی اسی طرح کی تخریب کاری کا سامنا ہے جیسی کہ افغانستان میں ہوئی۔ یا یہ کہ پاکستان میں سیاسی عدم استحکام جن عناصر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے وہ ایک دن پاکستان میں بھی سوویت یونین کو اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنے کا بہانہ فراہم کر سکتے ہیں؟

جواب : تخریب کاری تو دنیا کے ہر ملک میں ہو سکتی ہے۔ کسی ملک کو استثنیٰ حاصل نہیں ہے۔ پاکستان بھی تخریب کاری سے مستثنیٰ نہیں ہے اور آج کل جو ماحول ہے اس میں تخریب کاری کے امکانات ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان میں بھی اسی طرح کی تخریب کاری کے جراثیم موجود ہیں جیسی کہ افغانستان میں آج ہو رہی ہے۔ وہاں افغان مجاہدین اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور آپ صورتِ حال کو اسی پس منظر میں دیکھیں۔ جہاں تک پاکستان کا سوال ہے یہاں سوویت اثر و رسوخ تخریب کاری کے ذریعہ نہیں آیا۔ پاکستان پر جو اثرات پڑ رہے ہیں وہ افغانستان میں کھلی فوجی کارروائی کی وجہ سے پڑ رہے ہیں۔ لیکن اگر آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا سوویت یونین پاکستان میں موجود کچھ پاکستانیوں کی وفاداریاں خریدنے میں کامیاب ہو سکتا ہے یا نہیں تو میرا جواب یہ ہے کہ پاکستان میں اس کا امکان اتنا ہی ہے جتنا کہ دنیا کے کسی اور آزاد ملک میں۔ ہم خدشات سے یقیناً آگاہ ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم پاکستانی ہیں، مسلمان ہیں، ایک دین کے پیروکار ہیں اور اسی وجہ سے یہاں روسی عزائم کی کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں۔

سوال : کیا آپ سمجھتے ہیں کہ بلوچستان پاکستان کے لئے کوئی خاص مسئلہ بن سکتا ہے؟

جواب : ہاں، بلوچستان کی ایک خاص اہمیت ضرور ہے لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ بلوچستان ایک خاص مسئلہ ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ بلوچستان ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ صوبہ افغانستان سے

ملحق ہے۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان جو قدرتی سرحد ہے وہ ڈیورنڈ لائن کے ساتھ ساتھ پوری کی پوری پہاڑی علاقے میں ہے۔صرف بلوچستان میں پاک افغان سرحد کا کچھ حصہ ایسا ہے جو ریگستان سے گزرتا ہے۔ یہ ایک کھلا علاقہ ہے۔ یہ علاقہ بذاتِ خود کوئی مسائل پیدا نہیں کرتا، لیکن اس کی ایک خاص اہمیت ہے۔ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اور بلوچستان اس کا ایک پس ماندہ علاقہ ہے۔ یہ علاقہ معاشی اور فوجی دونوں اعتبار سے پس ماندہ ہے اس نقطۂ نظر سے دیکھیں تو بلوچستان اس طرح کا کوئی مسئلہ نہیں جیسا کہ آپ کے سوال سے اندازہ ہوتا ہے۔ بلوچستان کا مسئلہ علاقے کی نوعیت کی وجہ سے، ناکافی فوجی سہولتوں کی وجہ سے اور ایسے ہی دوسرے عوامل کی وجہ سے ہے۔

سوال : کیا بلوچستان میں تخریب کاری کے امکانات دوسرے علاقوں سے زیادہ ہیں؟

جواب : صرف اس لحاظ سے کہ بلوچستان افغانستان سے ملحق ہے، کسی اور لحاظ سے نہیں۔ بلوچی خود کو پاکستانی کہتے ہیں۔ شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

اسلامی وزرائے خارجہ کے غیر معمولی اجلاس سے خطاب

۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء

افغانستان میں سوویت یونین کی مسلح فوجی مداخلت کا آغاز دسمبر ۱۹۷۹ء کے آخری ہفتے میں ہوا تھا۔ اس مداخلت کے خلاف پوری دنیا میں تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ۱۰۴ ووٹوں کی غالب اکثریت سے مسلح مداخلت کے خلاف قرارداد منظور کی گئی جس میں سوویت یونین کی مذمت کرتے ہوئے روسی فوجوں کی افغانستان سے فوری واپسی کا مطالبہ کیا گیا۔

۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء کو اسلامی وزرائے خارجہ کا غیر معمولی اجلاس اسی پس منظر میں ہوا۔ یہ اجلاس بنگلہ دیش کی تجویز پر بلایا گیا تھا اور اسلامی تنظیم کے ممبر ملکوں کی دو تہائی سے زیادہ اکثریت نے غیر معمولی اجلاس بلانے کی تائید اور حمایت کی تھی۔

صدر پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۷ جنوری کی صبح کو وزرائے خارجہ کے غیر معمولی اجلاس کا افتتاح کیا۔ صدر نے اپنے افتتاحی خطاب میں عالم اسلام کی وحدت اور سالمیت کو مستحکم بنانے کی ضرورت پر زور دیا اور افغانستان میں روسی فوجی مداخلت سے پیدا ہونے والی صورتِ حال اور علاقائی اور عالمی سطح پر اس صورتِ حال کے مضمرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

کانفرنس میں ۳۶ ملکوں اور تنظیم آزادیٔ فلسطین کے وزرائے خارجہ یا اعلیٰ نمائندوں پر مشتمل وفود نے شرکت کی۔ اسلامی تنظیم کے سیکرٹری جنرل جناب حبیب شطی نے بھی اجلاس سے خطاب کیا اور عالم اسلام

کے اتحاد و استحکام میں پاکستان کی خدمات کو سراہا۔ پاکستانی وفد کی قیادت صدر کے مشیر برائے امور خارجہ جناب آغا شاہی نے کی جنہیں اتفاق رائے سے کانفرنس کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔

وزرائے خارجہ کی کانفرنس کا غیر معمولی اجلاس ۲۹ جنوری، ۱۹۸۰ کو ختم ہوا۔ اجلاس کے بعد اتفاق رائے سے منظور ہونے والا ایک اعلامیہ بھی جاری کیا گیا جس میں کئی قراردادیں شامل تھیں۔ افغانستان کے بارے میں جو تفصیلی قرارداد منظور کی گئی اس میں روسی فوجی مداخلت کی مذمت کی گئی اور روسی فوجوں کی فوری واپسی کا مطالبہ کیا گیا۔ ممبر ملکوں سے کہا گیا کہ وہ نئی افغان حکومت کو تسلیم نہ کریں۔ افغانستان کی اسلامی تنظیم کی رکنیت معطل کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا افغان مہاجرین کی امداد اور اس کے متعلق مسائل کے لئے تین رکنی کمیٹی بنائی گئی۔

اسلامی وزرائے خارجہ کا یہ غیر معمولی اجلاس افغانستان کے سوال پر پاکستان کے موقف کی پورے عالم اسلام کی طرف سے تائید اور حمایت کا تاریخی مظہر تھا۔ کانفرنس کے مندوبین نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی دو ٹوک تقریر کی تعریف کی۔ صدر پاکستان نے کانفرنس کے مندوبین کے اعزاز میں عشائیہ بھی دیا جس میں وفود کے علاوہ وفاقی وزراء اور سفارتی نمائندوں نے شرکت کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّینَ ﷺ

جناب چیئرمین عالی مرتبت بُو سَیتہ صاحب،

ذی قدر وزرائے خارجہ،

مندوبینِ گرامی

اور

معزّز خواتین و حضرات !

السّلام علیکم۔ اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ کا یہ پہلا غیر معمولی اجلاس ایک انتہائی غیر معمولی صورتحال پر غور کرنے کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔ یہ غیر معمولی صورتِ حال ہمارے پڑوسی، غیر جانبدار اور اسلامی ملک افغانستان میں روس کی فوجی مداخلت سے پیدا ہوئی ہے۔ اس غیر معمولی اجلاس میں شرکت کے لئے جو وزرائے خارجہ اور دیگر مندوبین، اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تشریف لائے ہیں، میں انہیں حکومتِ پاکستان اور پاکستانی عوام کی طرف سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ نہ صرف پاکستان میں ان کا قیام خوشگوار رہے گا بلکہ وہ جس نیک مقصد

کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں اس میں بھی کامیاب ہوں گے۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی کانفرنس نے اس اجلاس کے لئے پاکستان کو منتخب کیا۔ وقت کی کمی کے باوجود ہم نے اپنے وسائل اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق اس کانفرنس کا پورا اہتمام کیا ہے۔ اگر ہماری کوششوں کے باوجود کچھ خامیاں رہ گئی ہوں تو میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ انہیں درگزر فرمائیں گے۔

یہ کانفرنس دنیا کے اہم اور وسیع علاقوں میں بسنے والے نوّے کروڑ مسلمانوں کا نمائندہ اجتماع ہے۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ یہ نوّے کروڑ عوام ایک اللہ، ایک رسولؐ اور ایک کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور بجا طور پر ملتِ اسلامیہ کے رکن کہلاتے ہیں۔ ہم خدائے برتر کے شکرگزار ہیں کہ اس نے اس ملّت کو بہترین ایمان اور مکمل نظریۂ حیات ودیعت کرنے کے علاوہ قابلِ رشک انسانی اور مادی وسائل سے بھی نوازا ہے۔ اس ملّت سے تعلق رکھنے والے اکثر ممالک دنیا کے ایسے خطّوں میں واقع ہیں جو بین الاقوامی امن اور اقوامِ عالم کی بہبود کے لئے خصوصی اہمیّت رکھتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے اہم، انسانی لحاظ سے کثیر اور دینی لحاظ سے بے مثال ملّت، دورِ حاضر میں کیوں گوناگوں مصائب سے دوچار ہے؟ ایک طرف مسلمانوں کا قبلۂ اوّل غیروں کے تسلّط میں ہے اور فلسطین وکشمیر کے عوام اپنے حقوق کو ترس رہے ہیں تو دوسری طرف ہمارے ایرانی بھائیوں کو جو اسلامی انقلاب کو مستحکم بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں، طرح طرح کی دھمکیوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اس سلسلے کا تازہ ترین المیہ جس سے تمام دنیا تڑپ اٹھی ہے، افغانستان میں روسی جارحیّت ہے۔ یہ جارحیّت جس میں روسی افواج نے بھاری تعداد میں حصہ لیا، بین الاقوامی تعلقات کے بنیادی مسلّمہ اصولوں کے سراسر منافی ہے۔ اس جارحیّت کا شکار افغانستان کے وہ ڈیڑھ کروڑ عوام ہیں جنہوں نے کبھی کسی غیر ملکی برتری یا حاکمیّت کے سامنے اپنا سر خم نہیں کیا۔ مجھے یقین ہے کہ افغانستان کے غیور، جری اور بہادر عوام

اب بھی اپنی روایات کو بلند رکھیں گے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ دس برس پہلے جب مسجدِ اقصیٰ کی بے حرمتی کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا تو اس نے فرزندانِ توحید کے لئے ایک تازیانے کا کام کیا اور انہوں نے اپنی روحانی، اخلاقی، معاشی اور سماجی اقدار کے تحفّظ کے لئے "اسلامی کانفرنس" کے نام سے ایک مستقل ادارہ قائم کیا۔ بیشک اس کانفرنس کا قیام ملتِ اسلامیہ کی تقویّت کے لئے ایک اہم قدم تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری تمام کوششوں کے باوجود آج بھی فلسطینی عوام اپنے گھر بار اور اپنے انسانی حقوق سے محروم ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ

— ملّتِ اسلامیہ طرح طرح کے مسائل سے کیوں دوچار ہے؟ اور

— اسلامی ممالک کی سالمیّت کو کیوں خطرات لاحق ہیں؟

مجھے یقین ہے کہ آپ نے ان اور ایسے دوسرے اَن گنت سوالوں پر کئی مرتبہ غور کیا ہوگا اور آپ کی بصیرت، آپ کی دانش مندی اور آپ کے تجربے کی بنا پر یقیناً آپ نے ان کا حل بھی سوچا ہوگا۔ میں ان موضوعات کے بارے میں کوئی وعظ و تلقین کرنا نہیں چاہتا، لیکن میں ان سوالوں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمارے اعمال کی کمزوری کی اصل وجہ ہمارے ایمان کی ہی کمزوری ہے۔ ہم اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کے بلند بانگ دعوے تو کرتے ہیں، لیکن درحقیقت نہ اس رسّی پر ہماری گرفت ہے اور نہ ہمارے دلوں میں سچا اسلامی جذبہ موجزن ہے۔ ہم اپنی روزمرّہ زندگی میں مادّیت کی طرف زیادہ جھک رہے ہیں۔ ہم یہ بھول رہے ہیں کہ اسلام وہ دین ہے جو انسان کی روحانی تسکین کے علاوہ اس کی مادی ضروریات کو بھی احسن طریقے سے پورا کرتا ہے۔ اس لئے میرے خیال میں وقت کی اہم ضرورت یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے دلوں کو ٹٹولیں، اپنے گریبانوں میں جھانکیں، اپنے ایمان کو مضبوط اور اپنی صفوں کو سیدھا کریں۔ اگر ہم نے یہ کام کر لیا تو یقین جانیئے کہ ہم نے خارجی قوتوں کے خلاف اپنی مدافعت کا قلعہ مضبوط کر لیا۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو دوسرے مذاہب اور نظریات کے لئے تحمل اور بردباری کا سبق دیتا ہے۔ ہم مسلمان دوسروں پر اپنا نظریہ ٹھونسنا نہیں چاہتے، لیکن یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی نظریہ ہم پر زبردستی مسلّط کرنے کی کوشش کی جائے۔ نظریات کی اپنی جگہ اور اپنی اہمیت ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ نظریاتی جنگ نظریاتی محاذ پر ہی لڑی جانی چاہیئے۔ توپ و تفنگ کے زور سے کسی نظریے کو کامیاب کرانے یا اسے دوسروں پر مسلّط کرنے کی کوششیں ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہیں۔

برادرانِ ملّت!

افغانستان میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو ہم بڑی توجہ اور تشویش کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔ گزشتہ دو برسوں میں وہاں کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور افغان مہاجرین کی شکل میں ان کا براہِ راست اثر پاکستان پر بھی پڑتا رہا اور ہماری سرحدوں کی خلاف ورزی بھی ہوتی رہی، لیکن اس کے باوجود ہم نے ہمیشہ انتہائی ضبط و تحمل سے کام لیا اور ان تبدیلیوں کو افغانستان کا اندرونی معاملہ سمجھا اور افغانستان کے ساتھ معمول کے مطابق خوشگوار تعلقات قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ حال ہی میں وہاں غیر ملکی مسلّح مداخلت کی وجہ سے صورتِ حال یکسر بدل گئی ہے۔ اس کی وجہ سے بین الاقوامی امن اور سلامتی کے لئے دُور رس اثرات مرتّب ہوئے ہیں جو اسلامی دنیا کے لئے بالخصوص اور ساری دنیا کے لئے بالعموم باعثِ تشویش ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ایک طاقتور ہمسایہ ملک نے ایک آزاد و خود مختار اسلامی ملک کو اپنی جارحیّت کا نشانہ بنایا ہے۔ ہم اسے انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ طاقت کے زور پر دوسرے ملکوں کو مغلوب کرنے کی اس کوشش کو اگر بروقت نہ روکا گیا تو عالمی امن اور چھوٹے ملکوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا، یعنی اگر یہ روایت بلا روک ٹوک چل پڑی تو آج جو حال افغانستان کا ہوا ہے کل کسی اور ملک کا بھی ہو سکتا ہے۔ کیا ہم انسانی ترقی کے ہزاروں

سال بعد پھر دورِ جہالت کے اس عہد کی طرف لوٹ رہے ہیں جہاں انسانی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت، طاقت اور صرف طاقت تھی ؟ کیا ہم اس منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں جہاں طاقتور ممالک کمزور ممالک کو بلاخوف وخطر ہڑپ کر جائیں گے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو انسانی ارتقا کی یہ منزل انسانی تباہی کی منزل ہو گی جسے جتنا دور رکھا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔

برادرانِ اسلام !

اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ کا یہ غیر معمولی اجلاس صرف زوردار بیانوں تک محدود نہیں رہنا چاہیئے۔ ہمیں حالات کی سنگینی اور اپنے مقصد کا گہرا احساس ہونا چاہیئے۔ اسلامی اقدار، اسلامی روایات اور اسلامی ثقافت کے علمبردار افغان بھائیوں کے آزاد اور خود مختار ملک افغانستان کی آزادی اور حاکمیتِ اعلیٰ کو جس طرح روندا گیا ہے، اس پر گہری تشویش کا اظہار کرنا کافی نہیں۔ ہمیں افغانستان میں بسنے والے بھائیوں کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے وقت اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ افغانستان کی سرزمین کو روسی فوجوں سے جلد از جلد اور مکمل طور پر خالی کرایا جا سکے۔

اس کانفرنس سے واضح الفاظ میں سوویت یونین تک یہ پیغام پہنچنا چاہیئے کہ اسلامی دنیا افغانستان میں روسی فوجوں کی موجودگی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتی اور اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہاں فوجی مداخلت کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے اسے فوراً ختم کیا جائے۔ صرف ایسے اقدام کے بعد ہی اسلامی دنیا اور روس کے درمیان باہمی اعتماد اور تعاون کے تعلقات مؤثر طور پر بحال ہو سکتے ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ غیر ملکی مسلّح مداخلت کے خلاف ہمارے اصولی موقف کی عالمی برادری نے پرزور حمایت کی ہے اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ایک سو چار ارکان نے افغانستان میں روسی کارروائی کی مذمّت کی ہے اور وہاں سے غیر ملکی فوجوں کی فوری، غیر مشروط اور مکمل واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔

اقوامِ متحدہ کی اتنی بھاری اکثریت کا یہ ووٹ انسانی ضمیر کی بے لوث آواز ہے جس پر پوری دنیا کو توجہ دینی چاہیئے کیونکہ ضمیر کی آواز کو نظر انداز کرنا انسانیت کو موت کی آغوش میں بھیجنے کے مترادف ہے۔

اس اصول کو عملی جامہ پہنانے اور اس آوازِ حق کو تقویت پہنچانے کے لئے مِلّت اسلامیہ کے وزرائے خارجہ کا یہ اجلاس آج منعقد ہو رہا ہے۔

آج ہم سب تاریخ کے ایک ایسے اہم موڑ پر کھڑے ہیں، جہاں ساری دنیا کی نظریں ہم پر لگی ہیں۔ آج آپ پر ایک اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آج اسلامی اُمّہ اس بات کی منتظر ہے کہ وزرائے خارجہ کا یہ اجلاس ایک اسلامی ملک کو غیر ملکی جارحیّت کے چنگل سے بچانے کے لئے کیا اقدام کرتا ہے۔

برادرانِ اسلام !

افغانستان کے ابتر حالات کا ایک براہِ راست نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب تک پانچ لاکھ کے لگ بھگ افغان باشندے اپنا گھر بار چھوڑ کر پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ جوں جوں افغانستان کے اندرونی حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں، مہاجرین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر حالات کی رفتار یہی رہی تو پاکستان میں افغان مہاجرین کی تعداد بڑھتی ہی جائے گی۔

یہ بے گھر اور بے سرو سامان مہاجرین، جن میں کثیر تعداد بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی ہے، اپنے دین، اپنے اعتقاد، اپنی آزادی اور اپنے طرزِ زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ہم بھی افغان بھائیوں کی دیکھ بھال اسلامی اور انسانی جذبے کے تحت کر رہے ہیں۔ اگر ہماری مہمان نوازی میں کوئی کسر ہے تو اس کی وجہ وسائل کی کمی ہے، دل کی تنگی نہیں۔

میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ افغانستان کی صورتِ حال اور وہاں سے ہجرت کرنے والے افغان مسلمان صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں بلکہ وہ پوری اسلامی دنیا اور دیگر اقوامِ عالم کا مسئلہ ہیں۔ ہم اپنی بساط کے مطابق ان مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے، لیکن ان کی دیکھ بھال صرف پاکستان کے وسائل کی محتاج نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ وہ ساری دنیا کی توجہ اور امداد کے مستحق ہیں۔ حال ہی میں جن بین الاقوامی اداروں اور ممالک نے اس بارے میں پاکستان کا ہاتھ بٹانا شروع کیا ہے وہ ستائش اور شکریے کے مستحق ہیں، لیکن ضروریات کا جو انبار ہمارے سامنے ہے اسے سر کرنے کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ اور لگاتار کوششوں کی ضرورت ہے۔

برادرانِ اسلام!

اصل مسئلہ پاکستان کی سرزمین پر ان مہاجرین کی دیکھ بھال نہیں بلکہ اصل مسئلہ افغانستان کی اندرونی صورتِ حال ہے۔ جب تک وہاں اصلاح کی صورت پیدا نہیں ہوگی، مہاجرین بے گھر ہوتے رہیں گے اور انسانی جانیں ضائع اور انسانی اصول پامال ہوتے رہیں گے۔ ہم افغانستان کے باشندوں کے لئے جو ہمارے ساتھ اسلام کے ابدی رشتوں میں منسلک ہیں، ہمدردی اور دوستی کے جذبات رکھتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ ان کی مشکلوں کا دور جلد ختم ہوگا اور وہ اپنی مرضی اور اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزار سکیں گے۔

آج ہم بنیادی طور پر افغانستان میں روسی جارحیّت سے پیدا ہونے والی نازک صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں اس پلیٹ فارم سے اپنے افغان بھائیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کانفرنس کا یہاں منعقد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مصیبت کی اس گھڑی میں وہ اکیلے نہیں ہیں بلکہ پوری عالمی برادری اور ساری دنیا ان کے ساتھ ہے۔

مسئلہ افغانستان کے چند پہلوؤں کی طرف میں نے آپ کی توجہ دلائی ہے۔ مجھے یقین ہے

کہ کانفرنس کے دوران آپ اپنی عقل و دانش، اپنے تجربے اور اپنی بصیرت کے مطابق اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیں گے اور قابلِ عمل اور ٹھوس نتائج پر پہنچیں گے، لیکن ایک پہلو جس کی طرف میں خاص طور پر آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آئندہ ایسی صورتِ حال سے بچنے کے لئے اسلامی ممالک کے فرداً فرداً دفاع کی بجائے ہمیں اجتماعی طور پر اسلامی اُمّہ کی بقا اور حفاظت کے لئے سوچنا ہوگا۔ اگر ہم نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے اور اسے محفوظ رکھنے کی کوشش جاری رکھی تو مجھے ڈر ہے کہ یہ انفرادی کوششیں آنے والے طوفانوں کو نہ روک سکیں گی۔ تاریخ گواہ ہے کہ طوفانوں سے وہی قومیں بچ سکتی ہیں جو اپنی اجتماعی قوت اور پوری طاقت سے طوفانوں سے نبرد آزما ہونا جانتی ہیں۔

ہمارے دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول اسلامی اُمّہ کا قیام ہے اور اس اصول کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ جب تک اس اُمّہ کے تمام ارکان آپس میں متحد اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہیں ان پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ اسلامی اُمّہ کا قیام حکمِ خداوندی ہے اور اس کی نفی حکمِ خداوندی کی نافرمانی ہے اور نافرمانی کی سزا باعث عبرت ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نافرمانی سے بچائے اور اسلامی اُمّہ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دنیوی مسائل حل کرنے کے لئے انسانی کوششوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل بھی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کا بنیادی حکم خود کلمہ طیبّہ میں درج ہے اور وہ یہ ہے کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہ" یعنی کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان اسلام کے اس ابتدائی حکم کی تعمیل کر کے اللہ کی اطاعت میں چھوٹے بڑے دنیاوی خداؤں سے بے نیاز ہو جائیں اور اس خالقِ حقیقی کے سوا کسی کا خوف دل میں نہ لائیں تو وہ اس دنیا میں بھی سرخرو ہو سکتے ہیں اور اگلی دنیا میں بھی۔ اس لئے آیئے، سب سے پہلے اپنے ایمان کو محکم اور اپنے اعمال کو شریعت کے تابع کریں، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور اس بات کا عہد کریں

کہ ہم اسلام کی سربلندی اور اسلامی اُمّہ کی حفاظت کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

اس نازک موقع پر آپ کے کندھوں پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنی عقل و بصیرت اور تجربے کی روشنی میں عالمِ اسلام کو درپیش سنگین مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے مثبت اور متفقہ لائحہ عمل وضع کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ اس کانفرنس کے دوران غور و فکر میں آپ کی راہنمائی فرمائے اور آپ کی کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار کرے، آمین!

پاکستان پائندہ باد !

اسلامی اُمّہ زندہ باد!

مسٹر برزنسکی، صدر امریکہ کے قومی سلامتی کے مشیر کے اعزاز میں دی گئی ضیافت کے موقع پر خطاب

۲ فروری ۱۹۸۰ء

۲ فروری ۱۹۸۰ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے امریکی صدر کارٹر کے مشیر برائے قومی سلامتی مسٹر برزنسکی اور ان کے وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ اس سے پہلے امریکی وفد اور پاکستانی وفد نے بین الاقوامی اور علاقائی سلامتی سے متعلق امور پر مذاکرات کئے۔ پاکستانی وفد کی قیادت صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کی۔ پاکستانی وفد میں امور خارجہ کے مشیر جناب آغا شاہی، وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان، سیکرٹری خارجہ جناب شاہنواز، واشنگٹن میں پاکستان کے سفیر جناب ایس ایم۔ خان، ماسکو میں پاکستان کے سفیر، صاحبزادہ یعقوب خان، سیکرٹری جنرل ڈیفنس، لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی اور صدر کے چیف سٹاف آفیسر میجر جنرل کے۔ ایم عارف شامل تھے۔

امریکی وفد کی قیادت ڈاکٹر برزنسکی کر رہے تھے۔ ان کے وفد میں ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ وارن کرسٹوفر، پاکستان میں امریکی سفیر مسٹر آرتھر حل جونیئر، اسسٹنٹ سیکرٹری ڈیفنس ڈیوڈ ای میگیفرٹ، لیفٹیننٹ جنرل ارلنسٹ گریوز، ڈپٹی اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ جین کون، تھامس تھارنٹن اور آرنلڈ ریفل شامل تھے۔

ابتدائی پروگرام کے مطابق مذاکرات ۲ فروری کو ہی مکمل ہو جانے تھے، لیکن اس روز دو اجلاس ہونے کے باوجود مذاکرات مکمل نہ ہو سکے کیونکہ بقول مسٹر برزنسکی مذاکرات میں پوری تفصیلات طے کی جا رہی تھیں اور دونوں وفود کا انداز تعمیری تھا۔ مذاکرات دوسرے دن یعنی ۳ فروری کو بھی جاری رہے اور اسی روز مذاکرات کے اختتام پر ایک مشترکہ بیان جاری کیا گیا اور مسٹر برزنسکی، مسٹر کرسٹوفر اور جناب آغا شاہی نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس

سے خطاب کیا۔ مشترکہ بیان اور پریس کانفرنس میں جو باتیں کہی گئیں ان میں یہ نکات شامل تھے :

- افغانستان میں روسی جارحیت بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔
- پاکستان اور امریکہ کے درمیان ۱۹۵۹ء کا معاہدہ برقرار ہے اور امریکہ اس معاہدے کا پابند ہے
- پاکستان کی دفاعی ضروریات کا جائزہ لینے کے لئے ایک امریکی فوجی ٹیم پاکستان آئے گی۔

اسی روز مسٹر برزنسکی نے کرم ایجنسی اور درّہ خیبر کا دورہ کیا اور افغان مہاجرین کے ایک اجتماع سے خطاب کیا۔

مسٹر برزنسکی صدر ضیاء الحق کے نام امریکی صدر کارٹر کا ایک خط بھی ساتھ لائے تھے۔

پاک امریکی تعلقات کی استواری میں اس دورے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العٰلَمِین وَالصَّلوٰۃُ وَالسّلامُ علیٰ خاتم النّبیّین ؐ

یور ایکسیلینسی ڈاکٹر برزنسکی،

مسٹر وارن کرسٹوفر،

مسٹر جسٹس انوار الحق، چیف جسٹس آف پاکستان،

ایکسیلنسیز

اور

خواتین و حضرات!

السلام علیکم - ہم آج اپنے معزز امریکی مہمانوں کے اعزاز میں ایک سادہ عشائیے میں جمع ہوئے ہیں۔ میں اپنی طرف سے اور حکومتِ پاکستان کی طرف سے انتہائی شکر گزاری کا اظہار کرتا ہوں کہ ایک انتہائی نازک مرحلے پر یہ معزز وفد پاکستان آیا ہے۔ میں نے اسے ایک انتہائی نازک مرحلہ کہا ہے اور یہ واقعی انتہائی نازک مرحلہ ہے کیونکہ پاکستان کو اس وقت اپنی تاریخ کا نازک ترین مرحلہ درپیش ہے نہ صرف اپنے جغرافیائی سیاسی ماحول کی وجہ سے اور موجودہ حالات جو رُخ اختیار کر رہے

ہیں نہ صرف اس کی وجہ سے بلکہ بین الاقوامی تعلقات کی وجہ سے بھی ہم نہایت نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ اس دورے سے ہمیں یہ موقع بھی ملا ہے، یہ مسرت اور عزت بھی حاصل ہوئی ہے کہ جس علاقے میں ہم رہتے ہیں اس کے مسائل پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ، نہایت بے تکلفی کے ساتھ اور پوری تفصیل کے ساتھ دو ٹوک بات چیت کریں۔ ہمارے لئے یہ امر انتہائی اطمینان کا باعث ہے کہ ہمارا روایتی اتحادی، ایک ایسا ملک جس کے لئے پاکستان میں بے پناہ محبت اور احترام کے جذبات پائے جاتے ہیں یعنی امریکہ، ہمیں یہ تاثر دے رہا ہے کہ وہ اپنے ایک بھولے ہوئے ایشیائی اتحادی کی تلاش میں ہے۔ مجھے امید ہے کہ اپنی بات چیت کے دوران ہم اپنے ان روایتی رشتوں کو تلاش کریں گے جو منقطع تو نہیں ہوئے تھے لیکن جن پر بہت دباؤ آ گیا تھا۔ ہمیں اُمید ہے کہ ڈاکٹر برزنسکی ان تعلقات کو استوار کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ دورہ نہایت نتیجہ خیز ثابت ہوگا اور دونوں ملکوں کے درمیان بامعنی تعلقات قائم کرنے میں اہم ثابت ہوگا۔ ہمیں یہ امید بھی ہے کہ اس دورے سے پاکستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے درمیان بہتر مفاہمت اور بہتر باہمی تعاون کی راہ ہموار ہوگی۔ میں انتہائی پر اُمید ہوں اور مجھے توقع ہے کہ ہم ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جہاں پاکستان اور امریکہ ایک دوسرے کے مددگار ثابت ہوں۔

خواتین وحضرات! میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میرے ساتھ اظہارِ مسرت میں شامل ہوں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر مسٹر کارٹر کی بہترین صحت کے لئے، ہم ان کے لئے بہترین تمنائیں رکھتے ہیں اور ان کی نہایت کامیاب انتخابی مہم کے لئے دعا گو ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عوام کی خوشحالی کے لئے،

ان تمام خواتین و حضرات کی بہترین صحت کے لئے جو آج یہاں موجود ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر میرے دوست ڈاکٹر برزنسکی کی بہترین صحت، درازئ عمر، خوشحالی اور کامیابیوں کے لئے۔ شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

سبّی میں قبائلی عمائدین اور بلدیاتی کونسلروں کے دو روزہ کنونشن سے خطاب

۹ فروری، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۹ فروری کو سبّی میں قبائلی عمائدین اور بلدیاتی کونسلروں کے دو روزہ بلوچستان کنونشن کے آخری اجلاس سے خطاب کیا۔

صدر نے اپنی تقریر میں یقین دلایا کہ افغانستان میں روسی فوجی مداخلت سے پیدا ہونے والی صورتِ حال سے حکومت اچھی طرح آگاہ ہے اور حالات کا مقابلہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتی ہے. صدر نے افغانستان کے سوال پر پاکستان کے اصولی موقف کی عالمی حمایت کا ذکر کیا اور کہا کہ ہمارے تمام دیرینہ دوست ہمارے ساتھ ہیں اور اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ افغانستان میں روسی جارحیت سے نہ صرف پاکستان بلکہ اس پورے علاقے کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی ہے۔

صدر نے اپنی تقریر میں ملک کے اندرونی حالات، نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے حکومت کے اقدامات، بلدیاتی اداروں کی اہمیت، بلوچستان کے خصوصی مسائل اور ان کے حل کے لئے حکومت کی کوششوں کا بھی ذکر کیا۔

صدر کی تقریر سے پہلے نواب تیمور شاہ جوگیزئی نے قبائلی عمائدین اور بلدیاتی نمائندوں کی طرف سے صدر کو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور نظریۂ پاکستان اور قومی دفاع کے لئے بلوچستان کے عوام کی طرف

سے مکمل حمایت کا یقین دلایا۔

اس موقع پر سردار ڈوڈا خان زرکزئی اور دوسرے قبائلی عمائدین نے بھی صدرِ مملکت کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔

کنونشن میں صوبہ بلوچستان کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل رحیم الدین خان، وفاقی وزیر مواصلات پرنس محی الدین بلوچ اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام نے بھی شرکت کی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب گورنر بلوچستان لیفٹیننٹ جنرل رحیم الدین صاحب ،

نواب تیمور شاہ جوگیزئی صاحب ،

قبائلی معزّزین ،

کونسلر حضرات

اور

معزّز حاضرین !

السّلام علیکم ۔ میرے لئے یہ بات بڑی خوشی، عزت اور فخر کا باعث ہے کہ آج میں اس تاریخی جگہ میں آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں ۔ نواب تیمور شاہ صاحب نے آپ کی طرف سے ابھی ابھی جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا ہے، اسے سن کر مجھے دلی خوشی ہوئی ہے کیونکہ اس میں اہلِ بلوچستان کی حب الوطنی، خود اعتمادی اور جذبۂ ایثار موجزن نظر آتا ہے ۔ میں ان قابلِ رشک جذبات پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں ۔ میں دو سال پہلے بھی اس عظیم جرگے میں شریک ہوا تھا جس کی خوشگوار یادیں ابھی تک میرے ذہن میں

تازہ ہیں۔ اگر اِس جرگے اور اُس جرگے کے درمیانی عرصے پر نظر دوڑائی جائے تو تین باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ اُس وقت حکومت اور آپ کے درمیان عوامی سطح پر رابطہ بہت کم تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بلدیاتی انتخابات کے بعد، آپ کے نمائندے کاروبارِ مملکت میں شریک ہو چکے ہیں۔ ان نمائندوں کو نہ صرف اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے بلکہ وہ آپ کی خدمت کے لئے ان ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے نبھانے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ حکومت کی یہ خواہش اور پالیسی ہے کہ حالیہ انتخابات میں منتخب ہونے والے نمائندوں کو ہر لحاظ سے اپنا کردار مؤثر طور پر ادا کرنے کا اہل بنایا جائے تاکہ وہ مقامی سطح پر عوامی مسائل احسن طریقے سے حل کر سکیں۔ اس سلسلے میں انتظامیہ کو ضروری ہدایات پہلے ہی جاری کی جا چکی ہیں اور اسے نمائندوں کے ساتھ تعاون کرنے کی تاکید بھی کی گئی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ماضی میں سابقہ حکومتوں کی پالیسیوں کی وجہ سے جو رنجش اور تلخی پیدا ہو چکی تھی، وہ اب خدا کے فضل و کرم سے ختم ہو چکی ہے۔ جو لوگ پانچ چھ سال پہلے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے، وہ وطن واپس آ چکے ہیں۔ ان کی بحالی اور آباد کاری کا کام ہماری ترجیحات میں سرفہرست ہے اور آپ کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل رحیم الدین صاحب آباد کاری کی سکیم کو عملی جامہ پہنانے میں ذاتی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ صوبہ بھر میں وسیع ترقیاتی منصوبوں پر عمل ہو رہا ہے۔ اب ماشاءاللہ بہتر توجہ اور بہتر وسائل کی وجہ سے یہاں زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کے نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے۔ آج سے دو سال قبل جو منصوبے کاغذی سطح پر یا ذہن میں تھے، وہ اب زیرِ عمل نظر آ رہے ہیں اور ان میں سے کئی تکمیل کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ ترقی کی اس رفتار کو آئندہ بھی برقرار رکھا جائے گا۔

تیسری اور اہم بات جس کی طرف میں خاص طور پر آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ اب ہماری مغربی سرحد پر صورتِ حال یکسر بدل چکی ہے۔ دو سال پہلے ہمارے شمال مغرب میں ایک

آزاد، غیر جانبدار اور اسلامی ملک افغانستان واقع تھا۔ اب نہ یہ آزاد ہے نہ غیر جانبدار، اس کا اسلامی کردار بھی خطرے میں پڑ چکا ہے۔ وہاں کے عوام بے شک آج بھی پہلے کی طرح اللہ اور رسولؐ کے نام لیوا ہیں اور اسلامی احکامات کے پابند ہیں، لیکن ان پر زبردستی جو حکومت ٹھونس دی گئی ہے۔ اس کی پشت پناہی وہاں کے عوام نہیں بلکہ غیر ملکی حکومت کر رہی ہے۔ افغانستان کے باشندوں کے لیے عرصۂ حیات اتنا تنگ ہو چکا ہے کہ وہ اپنی اسلامی روایات، اسلامی اعتقادات اور اسلامی طرزِ زندگی کے تحفّظ کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ان کی ایک بھاری تعداد پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکی ہے۔ یہ مہاجرین جن میں زیادہ تر بوڑھے، عورتیں اور بچے شامل ہیں، اپنے گھروں سے دور بھوک، پیاس، بیماری، گرمی اور سردی کی اذیّتیں سہہ رہے ہیں۔ ان مجبور اور لاچار انسانوں کی تعداد اب پانچ لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ ان مہاجرین میں سے ہزاروں افراد بلوچستان میں پناہ گزین ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس آڑے وقت میں اپنے افغان بھائیوں کو ہر طرح کی مدد دی۔ آپ کا یہ جذبہ ہر لحاظ سے قابل رشک اور قابلِ ستائش ہے۔ حکومت بھی خالص اسلامی جذبے اور انسانی ہمدردی کے تحت ان مہاجرین کی مدد کر رہی ہے اور انشاء اللہ کرتی رہے گی۔ حال ہی میں بعض بیرونی ممالک نے بھی دستِ تعاون بڑھایا ہے جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے بھی ایک دو بار کہہ چکا ہوں، یہ مہاجرین صرف پاکستان یا اسلامی ممالک کا مسئلہ نہیں ہیں بلکہ یہ پوری دنیا کا مسئلہ ہیں اور پوری عالمی برادری کو ان کی مدد کے لیے آگے بڑھنا چاہیئے۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ بے گھر اور بے آسرا مہاجرین جلد از جلد عزت و آبرو کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹیں، لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب ان کے وطن میں ایسے حالات پیدا ہوں کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزار سکیں۔ ایسے حالات پیدا کرنے کے لیے اوّلین شرط یہ ہے کہ وہاں سے غیر ملکی فوجیں فوراً اور مکمل طور پر واپس بلا لی جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے عالمی برادری مختلف سطحوں پر اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں

کہ دنیا کے کئی ممالک نے نہ صرف فرداً فرداً افغانستان میں روسی جارحیّت کی مذمت کی ہے بلکہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ایک سو چار ارکان نے اس روسی اقدام کو بین الاقوامی تعلقات کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی قرار دیا ہے اور روسی فوجوں کی بلا تاخیر اور مکمل واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔ حال ہی میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کے غیر معمولی اجلاس میں بھی، جس کا آپ نے سپاس نامے میں ذکر کیا ہے، ہمارے موقف کی بھرپور تائید اور روسی فوجوں کی واپسی کے مطالبے کی پر زور حمایت کی گئی ہے۔ بین الاقوامی تنظیموں کے اس اجتماعی ردِّ عمل کے علاوہ تقریباً تمام اہم ملکوں نے فرداً فرداً اپنے نمائندے پاکستان بھیجے ہیں جن سے میں نے اور میرے رفقاء نے تفصیلاً بات چیت کی ہے۔ یہ سارے ملک پاکستان کی تشویش اور علاقائی صورتِ حال کے متعلق پاکستانی تجزیے سے اتفاق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ صرف پاکستان کے دفاع کا مسئلہ نہیں، یہ علاقائی امن کے دفاع کا مسئلہ ہے، یہ عالمی امن اور آزاد دنیا کے تحفّظ کا مسئلہ ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں مَیں نے کہا تھا کہ ہم اس جدوجہد میں تنہا نہیں ہیں۔ ہمیں اس بارے میں آزمودہ اور قابلِ اعتماد دوستوں کا تعاون حاصل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بین الاقوامی فضا جتنی آج کل پاکستان کے لیے سازگار ہے اتنی پہلے کبھی نہ تھی۔ ہم انشاء اللہ اس فضا میں پاکستان کے اعلیٰ ترین مفادات کا خیال رکھیں گے۔

معزز حاضرین!

بین الاقوامی حمایت بے شک اپنی جگہ بڑی اہم اور مفید ہے، لیکن تاریخِ عالم اور ہماری اپنی تاریخ کا ناقابلِ تردید سبق یہ ہے کہ قوموں کو اپنی آزادی اور سالمیت کا دفاع ہمیشہ خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ جب آزمائش کا وقت آتا ہے اور آزادی اور غلامی کی سرحدیں سمٹنے لگتی ہیں تو جو چیز قوموں کو سرخرو اور سربلند رکھتی ہے وہ ان کا اپنا حوصلہ، اپنی قوت اور اپنا جذبۂ مدافعت ہوتا ہے۔ اس موقع پر میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم کسی ملک کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم تمام ممالک،

خاص طور پر پڑوسی ممالک کے ساتھ دوستانہ اور پُرامن تعلقات قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام ممالک خواہ وہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے، امیر ہوں یا غریب ہوں، ترقی یافتہ ہوں یا ترقی پذیر، کسی قسم کی بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی اپنی مرضی اور اپنے اپنے نظریے کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ ہم خود ایک نظریاتی ملک ہیں۔ ہم اپنا نظریہ کسی دوسرے ملک پر ٹھونسنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور نہ اس بات کو برداشت کر سکتے ہیں کہ کوئی اپنا نظریہ ہم پر ٹھونسنے کی کوشش کرے۔

مجھے یقین ہے کہ بلوچستان کے غیور عوام نے جس طرح جون ۱۹۴۷ء میں یک زبان ہو کر قیامِ پاکستان کی حمایت کی تھی، اسی طرح وقت آنے پر وہ دفاعِ پاکستان میں بھی کسی طرح پیچھے نہیں رہیں گے۔ اس وقت ان کی تعداد پندرہ بیس لاکھ کے قریب تھی۔ آج وہ ماشاءاللہ تیس لاکھ سے زیادہ ہیں۔ اس وقت وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے اور برطانوی بلوچستان اور بلوچستانی ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ آج وہ ایک آزاد اور متحد ملک کے افراد ہیں۔ تب وہ بے وسیلہ اور تنہا تھے، آج وہ نسبتاً بہتر وسائل سے لیس اور ساڑھے سات کروڑ پاکستانیوں کے شریکِ وطن ہیں۔ یہ تیس لاکھ شہری کوئی معمولی لوگ نہیں، یہ ایک ایسی ملّت کے افراد ہیں جن کا نظریۂ حیات سب سے توانا اور اعتقاد سب سے اعلیٰ ہے۔ ایسے ملک کے باشندے ہیں جس میں تحفّظِ آزادی کا جذبہ پوری شدّت کے ساتھ موجزن ہے اور یہ ایسے علاقے میں آباد ہیں جہاں بہادری، اخوّت اور آزادی کی لازوال داستانیں زبانِ عام پر ہیں۔ یہاں کے باشندے یہاں کے پہاڑوں سے زیادہ ثابت قدم اور ان سے کہیں سربلند ہیں۔ انہوں نے نہ ماضی میں کبھی کسی غیر ملکی طاقت کی بالادستی قبول کی ہے اور نہ انشاءاللہ آئندہ کبھی کریں گے۔

معزز حاضرین!

افغانستان میں صورتِ حال کے بدلنے سے ہماری تقریباً ساری مغربی سرحد پر صورتِ حال بدل گئی ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق روسی افواج کابل پر اپنا قبضہ مستحکم بنانے کے بعد افغانستان کے دوسرے علاقوں تک پھیل گئی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بعض دستے جلال آباد اور

سون بلاک تک پہنچ چکے ہیں ۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ نئی صورتِ حال کی وجہ سے پاکستان کے دوسرے حصّوں کی طرح بلوچستان میں بھی قومی یکجہتی ، باہمی اتحاد اور جذبۂ ایثار کی فضا پہلے سے کہیں بہتر ہو گئی ہے ۔ کیا سرحد کے قریب رہنے والے کیا افغانستان سے ملحقہ صوبوں یعنی بلوچستان اور صوبہ سرحد میں بسنے والے اور کیا راولپنڈی ، لاہور ، حیدر آباد ، سکھر اور کراچی میں رہائش رکھنے والے ، سبھی ماشاء اللہ اب ایک نئے جذبۂ ملّی اور ایک نئے احساسِ آزادی سے مالا مال ہیں ۔ یہ جذبہ بے شک ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ اور سب سے مؤثر ہتھیار رہے ۔ مجھے دوسرے صوبوں کی طرح صوبۂ بلوچستان سے بھی اپیلیں موصول ہوئی ہیں کہ بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر جہاد کا اعلان کیا جائے ۔ میں نے ان کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے ان سب کو صبر وتحمّل کا مشورہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فی الحال ایسی صورت پیدا نہیں ہوئی کہ جہاد کا اعلان کیا جائے ۔ تاحال حالات پوری طرح قابو میں ہیں ۔ حکومت مسئلے کے تمام پہلوؤں سے اچھی طرح آگاہ ہے اور ملکی اور غیر ملکی سطح پر قومی سلامتی اور دفاع کے لیے جو کچھ کیا جا سکتا ہے کر رہی ہے ۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ۔ یقین جانئے ایک بلند حوصلہ اور متحد قوم کی طرف کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ۔

معزز اہلِ بلوچستان !

میرا یہاں آنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ نئے حالات پیدا ہونے کے بعد آپ تک اپنے خیالات پہنچاؤں ۔ مجھے اس مختصر قیام کے دوران یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی ہے کہ آپ نہ صرف صحیح واقعات سے واقف ہیں بلکہ ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح متحد اور تیار ہیں ۔ آپ ساڑھے سات کروڑ عوام کی اس سیسہ پلائی ہوئی دیوار کا نہایت قابلِ اعتماد حصّہ ہیں جس سے ٹکرانے کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی ۔ سچ پوچھئے تو آپ سے مل کر میرا اپنا حوصلہ پہلے سے کہیں زیادہ بلند ہو گیا ہے ۔ البتہ ایک مشورہ میں آپ کو دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بیرونی دشمن پر نظر

رکھنے کے ساتھ ساتھ آستین کے سانپوں کا بھی خیال رکھیئے جو بظاہر ہمارے ہموطن اور خیر خواہ نظر آتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کی وفاداریاں کہیں اور ہیں۔ ایسے عناصر دنیا کے ہر ملک اور ہر صوبے میں پائے جاتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اپنے صوبے میں ان عناصر کو سر نہیں اٹھانے دیا۔ وہ یقیناً ہمارے لیے بدخواہ اور ہمارے ملک کے دشمن ہیں۔ وہ موقع کی تاک میں ہیں کہ کب ان کے لیے حالات سازگار ہوں اور وہ اپنی تخریبی کارروائیاں شروع کریں۔ خارجی دشمن کے خلاف آپ کی کارروائی کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ آپ ان عناصر پر کڑی نظر رکھیں، ان کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بے اثر بنائیں اور اپنی صفوں میں مکمل اتحاد اور ملک کے مستقبل پر پکا یقین رکھیں۔ پوری قوم، پورا عالمِ اسلام اور تقریباً ساری عالمی برادری ہمارے ساتھ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ، جس نے اپنے دین کی سربلندی کے لیے ہمیں یہ وطنِ عزیز عطا کیا تھا اب اپنے فضل وکرم سے ہم پر مہربان ہے اور ہمارا مددگار ہے۔ آیئے اس کی عنایتوں کے لیے دعا کریں۔ اپنی صفوں میں مکمل اتحاد اور اپنے آپ پر بھروسہ رکھیں۔ انشاءاللہ اس قوم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

پاکستان پائندہ باد

مہران ریلوے برج کے افتتاح کے موقع پر خطاب

۱۴ فروری ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت، جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۴ فروری ۱۹۸۰ء کو صوبۂ سندھ کے شہر حیدر آباد کا دورہ کیا اور اس موقع پر کوٹری کے قریب دریائے سندھ پر مہران ریلوے برج کا افتتاح کیا۔ یہ پل پاکستانی انجینئروں نے تیار کیا تھا اور اس پر سترہ کروڑ روپے لاگت آئی تھی۔ صدرِ مملکت نے اس موقع پر ایک منتخب اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے پاکستانی انجینئروں کو اس پل کی تعمیر پر مبارکباد دی اور کہا کہ دوسرے شعبوں میں بھی اس مثال کی پیروی ہونی چاہیئے۔ صدر نے ریلوے حکام سے کہا کہ وہ وقت پر ترقیاتی منصوبے مکمل کریں اور مسافروں کی سہولت' وقت کی پابندی جیسے معاملوں پر توجہ دے کر کارکردگی بہتر بنائیں۔

صدر نے ریلوے سٹاف بینیفٹ فنڈ کے لئے ۵ لاکھ روپے کے عطیّے کا اعلان بھی کیا۔

اس سے پہلے ریلوے کے وزیر میجر جنرل جمال سید میاں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں ریلوے کی کارکردگی پر روشنی ڈالی اور پل کی تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ ریلوے نے ۷۰۰ کروڑ روپے مالیت کا ایک پنجسالہ ترقیاتی پروگرام شروع کیا ہے جس میں ریل کی پٹڑیوں کی تبدیلی، پپری مارشلنگ یارڈ اور ڈیزل انجنوں کی رفتہ رفتہ تیاری کے منصوبے شامل ہیں۔

اس موقع پر گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل ایس۔ ایم۔ عباسی، صدر کے امور خارجہ کے مشیر جناب آغا شاہی' سفارتی نمائندے، بلدیاتی اداروں کے چیئرمین اور دوسرے اعلیٰ سول اور فوجی حکام موجود تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل ایس۔ایم عباسی صاحب،

ریلوے کے وفاقی وزیر میجر جنرل جمال سید میاں صاحب،

اور

معزز خواتین وحضرات!

السّلام علیکم! میں دریائے سندھ پر اس اہم اور نئے پل کی کامیاب تعمیر پر پاکستان ریلویز کو مبارک باد دیتا ہوں اور اس کا رسمی افتتاح کرنے میں دلی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ پاکستان ریلویز کی ان کوششوں کو اپنی رحمت سے نوازے اور اس پل کو پاکستانی عوام کی زیادہ سے زیادہ خدمت اور سہولت کا باعث بنائے۔

میں نے ریلوے کے وزیر جنرل جمال سید میاں کی تقریر بڑے غور سے سنی ہے اور ریلوے کی عمدہ کارکردگی کے پہلوؤں پر انہیں اور ریلوے کے تمام عملے کو مبارک باد دیتا ہوں۔ ریلوے کی کارکردگی، اس پل کے متعلق اعداد و شمار یہ سب کچھ ہر لحاظ سے حوصلہ افزا اور قابلِ ستائش ہیں۔ البتہ

میں محکمۂ ریلوے سے اتنی گزارش ضرور کروں گا کہ وہ تھوڑی سی توجہ ان مشکلات کی طرف بھی دے جو ریلوے کے عام مسافر کو درپیش ہوتی ہیں۔ اب بھی عام مسافر گلہ کرتے ہیں کہ ریلوے نے کرایہ تو بڑھا دیا ہے لیکن سفر کی سہولتیں نہیں بڑھائیں۔ اب بھی گاڑیاں دیر سے چلتی اور لیٹ پہنچتی ہیں۔ ڈبے گندے اور خستہ حال ہیں۔ ریلوے میں اگر سامان کے دو ٹکڑے بُک کرائے جائیں تو منزلِ مقصود تک پہنچتے پہنچتے چار ہو جاتے ہیں، یعنی ریلوے والے کئی جعلی پیروں کی طرح سامان دُگنا کر دیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ آوازِ خلق ہے۔ یہ عوام کی شکایات ہیں اور عوام کی شکایات عموماً متعلقہ محکمے کی خرابیٔ صحت کی نشاندہی کرتی ہیں جن کی طرف فوری توجہ دینی چاہیئے۔

ریلوے منسٹر صاحب نے اپنی تقریر میں بر سبیلِ تذکرہ یہ بھی فرمایا ہے کہ گزشتہ حکومت نے اس پل کی اس طرح منصوبہ بندی کی کہ گہرے پانیوں کے ستونوں کی بنیادیں غیر تسلی بخش پائی گئیں۔ میرے خیال میں اس میں حیرت یا اچنبھے کی کوئی بات نہیں جو حکومت ملک کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے سے گریز نہیں کرتی، وہ گہرے پانی میں ستونوں کو کس طرح محکم بنا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی حکومتوں سے ملک و قوم کو بچائے۔

مہران پُل کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات اپنی جگہ بہت اہم اور باعثِ فخر ہے کہ اس پل کی نہایت مشکل اور پیچیدہ تعمیر کا سہرا پاکستانی انجینئروں کے سر ہے۔ میں انہیں اس عظیم کارنامے پر دلی مبارک باد دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ ان کی تقلید میں ہم زندگی کے زیادہ سے زیادہ شعبوں میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

ریلوے ہمارے ملک میں نقل و حمل کا بہت اہم اور مقبول ذریعہ ہے۔ روزانہ لاکھوں مسافر اس سے سفر کرتے اور ہزاروں ٹن سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ بھجواتے ہیں۔ ذاتی ساز و سامان کے علاوہ ملکی ضروریات کا بیشتر حصہ بھی کراچی سے اندرونِ ملک ریلوے کے ذریعے منتقل کیا جاتا ہے۔ آپ کا یہ فخر بجا ہے کہ گزشتہ سال آپ نے گندم اور کھاد کی بھاری مقدار ملک کے

مختلف حصوں میں پہنچا کر ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ میں آپ کی اس کارروائی کو دل سے سراہتا اور آپ کے عملے کو مبارکباد دیتا ہوں۔

آج جس پل کے افتتاح کی سعادت مجھے نصیب ہو رہی ہے، یہ نہ صرف صوبۂ سندھ میں واقع اہم ترین پل ہے بلکہ اس کی ملکی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ اس پل کی تعمیر سے کوٹڑی اور گدّو ریلوے سٹیشنوں کے درمیان دوہری ریلوے لائن مہیا کرنے کے باعث اب مین لائن پر گاڑیوں کی آمدورفت میں مزید سہولت پیدا ہو جائے گی۔ اس کا فائدہ ملک کے شمالی اور جنوبی حصوں کے درمیان سفر کرنے والے مسافروں کو بھی پہنچے گا اور محکمۂ ریلوے کی بار برداری کی صلاحیت بھی بہتر ہو جائے گی۔

موجودہ حکومت ریلوے کو جدید خطوط پر منظّم کرنا چاہتی ہے تاکہ ریلوے کی بہتر اور توسیع شدہ سہولتوں سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔ اس سلسلے میں جو مسائل درپیش ہیں، حکومت ان سے بخوبی واقف اور انہیں حل کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ سب سے بڑی رکاوٹ وسائل کی کمی ہے لیکن ریلوے کی اہمیّت کے پیشِ نظر ہم مالی مشکلات کے باوجود زیادہ سے زیادہ رقم اس مد پر خرچ کر رہے ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، موجودہ مالی سال میں ریلوے کے ترقیاتی اخراجات کے لیے ۸۳ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے فراہم کئے گئے ہیں۔ حال ہی میں قومی اقتصادی کونسل کی ایگزیکٹو کمیٹی نے جن ترقیاتی منصوبوں کی منظوری دی ہے ان میں بھی ریلوے کے کئی منصوبے شامل ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ محکمۂ ریلوے اپنے ان منصوبوں کو مقررہ وقت پر مکمل کرنے کی پوری کوشش کرے گا تاکہ مطلوبہ نتائج جلد از جلد حاصل کیے جا سکیں۔

اس موقع پر ایک بات میں خاص طور پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ریلوے سمیت زندگی کے تمام شعبوں میں حکومت کی یہ مخلصانہ کوشش ہے کہ عام شہریوں کی مشکلات کو جلد از جلد دُور کیا جائے اور ان کو میّسر سہولتوں کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنایا جائے۔ اس قومی پالیسی کے پیشِ نظر

ریلوے کو بھی اس بات پر پوری توجہ دینی چاہیئے کہ ٹرین کے سفر کو محفوظ اور بہتر بنایا جائے۔ ریزرویشن کی سہولتوں کو مؤثر اور ڈبوں کے اندر روشنی، پنکھوں اور صفائی کے نظام کو دُرست کیا جائے۔ وقت کی پابندی اور بُک شدہ سامان کی دیکھ بھال کا خاص خیال رکھا جائے۔ یعنی ہر اس بات پر زور دیا جائے جو ریلوے میں لوگوں کے اعتماد کو بڑھا سکے کیونکہ پبلک سیکٹر کا کوئی بھی شعبہ عوام کے اعتماد کے بغیر اپنے مشن میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے "مہران برج" کے افتتاح کی دعوت دے کر آپ سے ہم کلام ہونے کا موقع دیا۔ میں اس پل کی تعمیر سے متعلق تمام انجینئروں، افسروں اور دوسرے عملے کو مبارکباد دیتا ہوں۔ خاص طور پر ان مزدوروں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں جنہوں نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مجھے افسوس ہے کہ ملک کے مختلف حصّوں میں مصروفِ کار ہونے کی وجہ سے آج وہ اس افتتاحی تقریب میں شامل نہیں ہیں، لیکن میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ ان کی حاضری کا احساس یہ "مہران برج" دلا رہا ہے جو ان کی حب الوطنی اور جذبۂ خدمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی جذبے اور لگن کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ ان کی حوصلہ افزائی کے لیے اور ریلوے ملازمین کی بہبود کے لیے میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے ریلوے سٹاف بینی فٹ فنڈ کے لیے ۵ لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان کرتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

میراج ری بلڈ فیکٹری کامرہ میں خطاب

۲۰ فروری، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان ایرو ناٹیکل کمپلیکس کے ایک کارخانے میراج ری بلڈ فیکٹری کے اوورہال کردہ پہلے میراج لڑاکا بمبار طیارے کو پاکستان ایئرفورس کے سپرد کرنے کی تقریب میں شرکت کی۔

اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے صدر نے پاکستان کی پُرامن خارجہ پالیسی کے اصولوں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ ہم تمام ممالک سے اور خصوصاً اپنے پڑوسیوں سے پُرامن دوستانہ تعلقات چاہتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی اپنی آزادی اور ملکی سالمیت کا ہر قیمت پر دفاع کرنے کا پختہ عزم بھی رکھتے ہیں۔ انہوں نے دفاع میں پاکستان کی خودکفالت کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا۔ صدر نے ایرو ناٹیکل کمپلیکس میں کام کرنے والے ماہرین کے کام کی تعریف کی اور میراج ری بلڈ فیکٹری کے انجینئروں اور کارکنوں کو میراج طیارے کو دوبارہ پرواز کے قابل بنانے پر مبارکباد دی۔

بعد میں صدرِ مملکت اور ایئر چیف آف سٹاف نے میراج ری بلڈ فیکٹری کے اوورہال کردہ طیارے کا معائنہ کیا۔ اس طیارے کے پائلٹ نے تقریب کے موقع پر ہی اسے اڑایا اور سرگودھا ایئربیس پہنچایا۔

تقریب میں ایرو ناٹیکل پراجیکٹ کے ڈائریکٹر جنرل، ایئر مارشل شیخ ایم سعید نے بھی تقریر کی اور ایرو ناٹیکل کمپلیکس کی تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے صدر کو کمپلیکس کا نشان بھی پیش کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ﷺ

ائیر مارشل، شیخ محمد سعید صاحب،

مہمانانِ گرامی

اور

معزز حاضرین!

السلام علیکم۔ آج سے تقریباً تین ماہ پہلے میں ہیوی ری بلڈ فیکٹری ٹیکسلا گیا تھا اور وہاں اوور ہال کئے گئے ٹینکوں کو Test Track پر دوڑتے اور رینجز پر فائر کرتے دیکھا تھا۔ اپنے انجینئروں اور ماہروں کی یہ کارکردگی دیکھ کر مجھے دلی خوشی ہوئی تھی کہ ہم ٹینکوں کی دیکھ بھال، مرمت اور اوور ہالنگ میں خود کفیل ہو کر ایک اہم شعبے میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے ہیں۔

آج میراج ری بلڈ فیکٹری کامرہ دیکھ کر میری خوشی دوبالا ہو گئی ہے کیونکہ میراج طیارے کو اوور ہال کرنے کے بعد از سرِ نو پرواز کے قابل بنانا کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔ اس کامیابی پر اس پروجیکٹ کے ڈائریکٹر جنرل ائیر مارشل سعید اور ان کے رفقاء بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

آج کا دن اس لحاظ سے ایک یادگار دن ہے کہ آج پاکستان کے اندر اوور ہال شدہ پہلا میراج طیارہ پاک فضائیہ کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ اس کامیابی سے طیارہ سازی کی انتہائی پیچیدہ صنعت میں ہماری آئندہ کامیابیوں کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے ہاں ایسے باصلاحیت فنی ماہرین موجود ہیں جو میراج جیسے جدید ترین طیارے کے سینکڑوں پُرزوں کو الگ الگ کر کے انہیں پھر سے جوڑنے کے کام پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ میں ان تمام ماہرین کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ساتھ ہی مَیں ان فرانسیسی ماہرین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کام کی انجام دہی کے سلسلے میں ہمارے کارکنوں کی رہبری کی اور ان کی تربیت میں پورا پورا تعاون کیا۔

پاکستان ایروناٹیکل کمپلیکس کا یہ منصوبہ شروع سے ہی حکومت کی ترجیحات میں مقدم رہا ہے اور میں اس کمپلیکس میں کام کی رفتار میں ذاتی دلچسپی لیتا رہا ہوں۔ خاص طور پر یہاں اوور ہال کئے گئے جنگی طیاروں کی پہلی کامیاب پرواز میری خصوصی دلچسپی کا مرکز رہی ہے۔ یہ اطلاع میرے لیے بہت اطمینان بخش اور حوصلہ افزا تھی کہ اس طیارے کی ٹیسٹ فلائٹ کے دوران اس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں پایا گیا۔ یہ بے شک ایک عظیم کامیابی ہے جس پر میراج ری بلڈ فیکٹری کے انجینئروں اور دیگر کارکنوں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کو آئندہ بھی کامیابیوں سے ہمکنار کرتا رہے۔

پاک فضائیہ ہمارے دفاعی نظام میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ملکی دفاع کا انحصار کافی حد تک فضائیہ کی کارکردگی پر ہے۔ مجھے اور پوری قوم کو اس بات پر فخر ہے کہ پاک فضائیہ نے ماضی میں ہر فضائی معرکے میں قابلِ رشک کردار ادا کیا ہے اور ملک کی فضائی سرحدوں کو دشمن کے طیاروں سے محفوظ رکھنے میں اعلیٰ روایات قائم کی ہیں۔ جہاں یہ صحیح ہے کہ ماضی کی طرح آئندہ بھی پاک فضائیہ کو دشمن کی عددی برتری کا سامنا رہے گا، وہاں یہ بھی درست ہے کہ ماضی کی طرح آئندہ بھی ہمارا یہ

فضائی بازو اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے گا اور ملکی سالمیت پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گا۔

آڑے وقت میں ملکی دفاع کے لیے پیشہ ورانہ صلاحیت کو بہتر بنانا ائیر فورس کا کام ہے لیکن اسے اپنی اس صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لئے وسائل مہیا کرنا حکومت کا فرض ہے۔ حکومت اپنے اس فرض سے پوری طرح آگاہ ہے اور اسے جلد از جلد بجا لانے کے لئے تمام ممکن اقدامات میں جہاں جدید طیاروں کا حصول شامل ہے، وہاں یہ بات بھی لازم ہے کہ جو طیارے پہلے سے ہمارے پاس موجود ہیں ان کی دیکھ بھال پر خاص توجہ دی جائے اور اوور ہال ہونے والے طیاروں کو اپنے ہاں اوور ہال کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے۔

اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند سال قبل مالی مشکلات کے باوجود اس فیکٹری کے قیام کے لئے ضروری وسائل مہیا کئے گئے تھے۔ آج مجھے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی ہے کہ نہ صرف یہ فیکٹری معرضِ وجود میں آچکی ہے بلکہ یہاں پہلے میراج طیارے کے ائیر فریم کی اوور ہالنگ کے بعد اس کی کامیاب پرواز بھی ٹیسٹ کی جا چکی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی باعثِ اطمینان ہے کہ آئندہ چھ ماہ تک میراج کے پہلے انجن کی بھی اوور ہالنگ کی جا سکے گی۔

معزز حاضرین!

دفاعی خود کفالت کی طرف اس پیش قدمی کا واحد مقصد ملکی دفاع کو بہتر بنانا ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم کسی کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے ہیں۔ ہم تمام ممالک خاص طور پر پڑوسی ممالک کے ساتھ پُر امن اور دوستانہ تعلقات چاہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ پُر امن ماحول میں ہم اپنے وسائل اور اپنی صلاحیتیں اپنے عوام کی بہتری اور خوشحالی کے لئے بروئے کار لائیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے اس عزم میں بھی پوری طرح راسخ ہیں کہ اگر ہماری قومی آزادی اور ملکی سالمیت کو کوئی خطرہ لاحق ہوا تو ہم ہر قیمت پر اس کا دفاع کریں گے۔ ہمیں جو کچھ بھی دستیاب ہوا اسے اس عظیم مقصد کے لئے استعمال میں لائیں گے اور ہرگز ہرگز ملک کی آن پر حرف نہیں آنے دیں گے ـــــ بے شک ہمارا بعض جنگی اسلحہ پرانا اور بعض

دفاعی سامان کم ہے لیکن جس میدان میں نہ کوئی کمی ہے اور نہ خامی، وہ قوم کا اپنی آزادی کے تحفّظ کے لئے ناقابلِ شکست عزم ہے اور یہ عزم ہمارا سب سے مؤثر دفاعی ہتھیار ہے۔

حاضرین کرام!

مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ محض جذبے کے زور پر جنگیں نہیں جیتی جاتیں، لیکن یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ محض اسلحے کا حصول دفاع کی ضمانت نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا مؤثر دفاع کے لئے اعلیٰ ترین جذبے کے ساتھ ساتھ مادی وسائل کو بہتر بنانا بھی ضروری ہے۔ اس نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے ہم دیگر شعبوں کی طرح دفاع کے میدان میں بھی خود کفالت کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کڑی کمپلیکس کا قیام ہے۔ بے شک ہماری منزل دُور اور مشکلات بے شمار ہیں، لیکن نیّت سچی، عزم راسخ اور منزل واضح ہو تو اپنے مقصد کے حصول میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوسکتی۔ آج آپ نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ بھی انہی اوصاف کا نتیجہ ہے۔ اب آپ کا یہ فرض ہے کہ اس عملی میدان میں جمود کو راہ نہ پانے دیں اور اس کامیابی کو منزلِ مقصود کی طرف پہلا قدم تصوّر کر کے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ آپ کو کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ کوئی کامیابی، خواہ وہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، حتمی اور فیصلہ کن نہیں ہوتی بلکہ وہ مزید کامیابیوں کی نشاندہی کرتی اور ہمیشہ ان کا پیشِ خیمہ ہوتی ہے۔

جیسا کہ ائیر مارشل سعید نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا ہے، پاکستان ایروناٹیکل کمپلیکس میں مزید توسیع کی گنجائش ہے اور اس کی موجودہ صلاحیت بھی وسعت پذیر ہے۔ پاک فضائیہ کے پاس جو میراج طیارے ہیں، ان کی اوور ہالنگ اندرون ملک کرنے کی خشتِ اوّل رکھ دی گئی ہے۔ اب اس طرف بھی توجہ دینی چاہیئے کہ ان طیاروں کی اسمبلنگ بھی اس فیکٹری میں ہی کی جا سکے۔ اگر ابتدا میں یہ کام ہم جزوی طور پر بھی کرلیں تو تیار شدہ جہازوں کی خریداری پر اٹھنے والے زرِ مبادلہ میں خاصی کمی ہو جائے گی، ہماری صلاحیتوں پر ہمارا اعتماد بھی بڑھ جائے گا اور ہم اپنی منزل کے قریب

پہنچ جائیں گے۔

میراج ری بلڈ فیکٹری میں اس وقت جو صلاحیت کارپائی جاتی ہے اس سے دیگر اقسام کے ان چھوٹے طیاروں کی ضروریات کو بھی پورا کیا جا سکے گا جو بری فوج اور بحریہ کے زیرِ استعمال ہیں۔ پیوما (PUMA) ہیلی کاپٹر مسلح افواج کے پاس خاصی تعداد میں ہیں۔ یہ ہیلی کاپٹر بھی فرانسیسی ساخت کے ہیں۔ چنانچہ میراج کی اوور ہالنگ کا تجربہ ان ہیلی کاپٹروں سے متعلق مسائل حل کرنے میں کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض سول محکموں کے پاس بھی چند ایک چھوٹے چھوٹے جہاز ہیں جن کی دیکھ بھال ہیں کامرہ میں موجود سہولتیں مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ اس طرح جب ہمارے انجینئرز اور کارکن چھوٹے جہازوں کی دیکھ بھال اور مرمت میں مہارت حاصل کرلیں گے تو ان میں بعد ازاں پیچیدہ اور جدید تر قسم کے طیاروں سے نمٹنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے گی۔

پاکستان میں ایرو ناٹیکل صنعت کا قیام ہم سب کے لئے یقیناً ایک چیلنج ہے اور یہ چیلنج ہمیں ہی قبول کرنا ہے کیونکہ ہم اس سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آج جب دنیا ٹیکنالوجی میں برق رفتاری کے ساتھ ترقی کرتی جارہی ہے اور نئی نئی ایجادات منظرِ عام پر آرہی ہیں، ہمارے لئے اشد ضروری ہے کہ ہم ان امور سے باخبر رہیں اور اپنے پیشہ ورانہ تقاضوں کے مطابق ان سے استفادہ کریں۔ خاص طور پر جس شعبے سے ہم وابستہ ہیں اس سے تعلق رکھنے والے جدید علوم سے بہرہ ور ہونے کے لیے ہمیں پوری دل جمعی کے ساتھ کوشش کرنا ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنی انتھک محنت سے اس منزل کو پالیں گے اور ان کوششوں سے ہمارا ملک ایرو ناٹیکل انڈسٹری میں آگے بڑھنا شروع ہو جائے گا۔

جیسا کہ ائیر مارشل سعید نے ابھی ابھی اپنی تقریر میں ذکر کیا ہے، پاکستان ایرو ناٹیکل کمپلیکس ایک اور بڑے منصوبے پر کام کر رہا ہے اور وہ ائیر کرافٹ مینو فیکچرنگ فیکٹری ہے جو ایک مختصر میعاد والی اسکیم کے تحت ۱۹۸۱ء تک "مشاق" طیارے کے ائیر فریم بنانے لگ جائے

گی جو طیارہ سازی کی سمت یقیناً ایک اہم قدم ہو گا۔ اگر یہ کام احسن طریقے سے آگے بڑھتا رہا تو انشاء اللہ بتدریج ہماری ان فیکٹریوں میں ایرونا ٹیکل صنعت کو قابلِ فخر فروغ حاصل ہو گا اور ہم مستقبل قریب میں کسی حد تک اس میدان میں خود کفیل ہو جائیں گے۔

ایرونا ٹیکل کمپلیکس کے کارکنوں کو شہری سہولتوں کی فراہمی کے لئے کامرہ میں جو انتظامات کئے گئے ہیں، ان سے میں مطمئن ہوں لیکن ان سہولتوں کو برقرار رکھنے اور انہیں بہتر بنانے کے لئے مزید اقدامات ضروری ہیں۔ اس سلسلے میں کنٹونمنٹ بورڈ کے قیام اور لوکل کمپنسیٹری الاؤنس کی تجاویز پر غور کیا جائے گا اور ان کی بلا تاخیر منظوری کے لئے فوری کارروائی کی جائے گی۔

میں ایک بار پھر اس کمپلیکس کے انجینئرز، فنی ماہرین اور دیگر کارکنوں کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے خلوصِ دل اور لگاتار محنت سے ایک قلیل عرصے میں ری بلڈ فیکٹری کے قیام کا کام مکمل کیا اور میراج طیاروں کی اوور ہالنگ کی منزل حاصل کر لی۔ میں ان کی کارکردگی کا تہہ دل سے اعتراف کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ یہاں کام کرنے والے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے معقول رقم بطور عطیہ دی جائے گی۔

پاکستان پائندہ باد

راولپنڈی میڈیکل کالج میں تقسیم انعامات کی تقریب سے خطاب

۲۷ فروری، ۱۹۸۰ء

۲۷ فروری، ۱۹۸۰ء کو راولپنڈی میڈیکل کالج میں تقسیم انعامات اور کالج کے ایک نئے ہاسٹل کے افتتاح کی تقریب ہوئی۔ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے تقریب کی صدارت کی۔ کالج کے پرنسپل اور سٹوڈنٹس یونین کے صدر نے اس موقع پر استقبالیہ تقریریں کیں۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں صحت کے شعبے میں عام لوگوں کی سہولتیں بڑھانے کے لئے حکومت کی کوششوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ آئندہ مالی سال سے صحت کے شعبے پر خرچ ہونے والی موجودہ ۱۵۰ کروڑ کی رقم کو تقریباً دوگنا کر دیا جائے گا اور اس اضافی رقم کا ۲۶ فی صد حصہ میڈیکل تعلیم پر خرچ کیا جائے گا۔ صدر نے کالج کے مسائل حل کرنے میں حکومت کی دلچسپی کا یقین دلایا اور اعلان کیا کہ یکم جولائی سے سنٹرل گورنمنٹ ہاسپٹل کو کالج سے ملحق کر دیا جائے گا۔ صدر نے کالج کے لئے دو سال کے اندر ایک اچھی لائبریری کے قیام کے لئے ایک خطیر رقم دینے کا وعدہ کیا۔ صدر نے مستحق طلبا کی امداد کے لئے بھی گرانٹ کا اعلان کیا۔ ادارے کے پرنسپل کی طرف سے راولپنڈی میڈیکل کالج کا سرپرست بننے کی درخواست قبول کرتے ہوئے صدر نے اعلان کیا کہ آئندہ سے ہر سال بہترین نتائج حاصل کرنے والے ایک طالب علم اور ایک طالبہ کو گولڈ میڈل دیا جایا کرے گا۔

صدر کا خیر مقدم کرتے ہوئے کالج کے پرنسپل ڈاکٹر عبداللطیف نے کالج کی ضروریات بیان

دلچسپی لینے پر صدر کا شکریہ ادا کیا۔

تقریب میں صوبۂ پنجاب کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل سوار خان، وفاقی اور صوبائی وزارتِ صحت کے اعلیٰ عہدیداران اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام بھی موجود تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ ﷺ

گورنر پنجاب، لیفٹیننٹ جنرل سوار خان صاحب،

پرنسپل راولپنڈی میڈیکل کالج، پروفیسر عبداللطیف صاحب،

اساتذۂ کرام،

عزیز طلبا و طالبات

اور

حاضرینِ گرامی!

السّلام علیکم۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے آج کی تقریب میں مدعو کر کے آپ کے مسائل براہِ راست سننے اور آپ سے مخاطب ہونے کا موقع دیا۔ اگرچہ انتظامی لحاظ سے راولپنڈی میڈیکل کالج صوبائی حکومت کی تحویل میں ہے اور وہی اس کے نظم و نسق کی ذمہ دار ہے، لیکن اس کالج کو دوسرے میڈیکل کالجوں پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ یہ عین دارالحکومت میں واقع ہے۔ یہاں نہ صرف ڈسٹرکٹ اور ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے بلکہ یہاں

مرکزی حکومت کا اعلیٰ ترین دفتر بھی ہے۔ اس لئے یہ کالج ایک صوبائی ادارہ ہونے کے باوجود میری ذاتی توجہ کا مرکز چلا آرہا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی رہے گا۔

یہ کالج کن حالات میں بنا اور آج سے تین برس پہلے اس کی حالت کیا تھی، اس کا اندازہ پرنسپل صاحب کی ابتدائی تقریر اور سٹوڈنٹس یونین کے صدر کے سپاس نامے سے کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں تقریروں کا جہاں یہ پہلو بہت خوش آئند اور حوصلہ افزا ہے کہ دو تین برس کے قلیل عرصے میں یہ کالج ایک مہاجر کیمپ سے ترقی کر کے ملک کا ایک باوقار ادارہ بن گیا ہے جس کے لئے کالج کے پرنسپل، اساتذہ، طلبا اور انتظامیہ کے متعلقہ افراد مبارک باد کے مستحق ہیں، وہاں یہ بات بھی نہایت اہم اور توجہ طلب ہے کہ ابھی اس ادارے کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ابھی ابھی تقریروں میں کیا گیا ہے اور بعض کا ذکر پرنسپل صاحب نے ذاتی طور پر مجھ سے کیا ہے۔ میں کالج کی ضرورتوں اور یہاں کی انتظامیہ کو درپیش مسائل سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ میں اسے اپنا اور اپنی حکومت کا فرض سمجھتا ہوں کہ ان مسائل کو جلد از جلد حل کیا جائے۔ جو مسائل مرکزی حکومت سے تعلق رکھتے ہیں، میں ان کے فوری حل کے احکامات جاری کروں گا اور جن دشواریوں کا تعلق صوبائی حکومت سے ہے، ان کے بارے میں مَیں صوبائی حکومت کو ہدایت کروں گا کہ وہ اس تعلیمی ادارے کو انتظامی مشکلوں سے جلد از جلد نجات دلائے تاکہ یہاں کے اساتذہ اور طلباء پوری توجہ اور لگن سے تعلیمی مصروفیتوں پر توجہ دے سکیں۔ ان مسائل میں کالج کی موجودہ جگہ کے متعلق طویل مقدمہ بازی کو ختم کرنا، مطلوبہ رہائشی کالونی کے لئے مناسب جگہ مہیا کرنا، مستعد اور چالو ہسپتالوں کا کالج سے الحاق کرنا اور سٹاف اور لائبریری کی سہولتوں کو بہتر بنانا سرفہرست ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جس طرح محنت اور لگن سے قلیل عرصے میں بہت سی دشواریوں پر قابو پا لیا گیا ہے، اسی طرح باقی مسائل بھی جلد حل کر لیئے جائیں گے۔ جہاں تک حکومت کی سرپرستی، راہنمائی

اور مدد کا تعلق ہے ہیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ حکومت کے تمام اداروں کو پہلے سے زیادہ معاون اور مستعد پائیں گے۔ میں راولپنڈی میڈیکل کالج کو جلد از جلد اپنا جائز مقام دلانے میں ذاتی دلچسپی رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وفاقی دارالحکومت کے زیرِ سایہ قائم ہونے والا یہ صوبائی ادارہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی بیک وقت اعانت سے ملک کا ایک مثالی ادارہ بن جائے۔

حاضرینِ گرامی !

راولپنڈی میڈیکل کالج پر یہ خصوصی توجہ اس ملکی پالیسی کا ایک حصّہ ہے جس کے تحت ہم ملک میں میڈیکل ایجوکیشن کی سہولتوں کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک میڈیکل کالج کوئی عام ادارہ نہیں جو کسی جگہ بھی کھول کر کلاسز شروع کر دی جائیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کالج میں تربیت یافتہ اساتذہ اور دیگر سٹاف موجود ہو، باقاعدہ لائبریری اور لیبارٹری کی سہولتیں میسّر ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے پاس ایک ایسا ہسپتال ہو جہاں تمام بیماریوں کے علاج کا بندوبست ہو۔ راولپنڈی میڈیکل کالج نے گزشتہ چند سالوں میں جو ترقی کی ہے اس کا سہرا میں حکومت کے سر باندھنے کی بجائے آپ کے سر باندھتا ہوں کیونکہ اگر آپ صدقِ دل اور خلوصِ نیت سے اس کالج کو ترقی دینے کی کوشش نہ کرتے تو یہ موجودہ معیار بھی حاصل نہ کر پاتا۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی غیر تعلیمی مصروفیتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی تعلیم پر توجہ دیں گے، اپنے کالج کو پھلنے پھولنے میں مدد دیں گے اور یہاں مہیا کی جانے والی سہولتوں سے پورا پورا استفادہ کریں گے۔

ماضی میں سیاسی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اور انتظامی اور مالی امور کو نظر انداز کرتے ہوئے جو میڈیکل کالج کھولے گئے تھے، ہم انہیں صحیح خطوط پر منظّم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مناسب منصوبہ بندی کے تحت حسبِ ضرورت نئے میڈیکل کالج

بھی کھولے جا رہے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو طبی سہولتیں مہیا کی جا سکیں، لیکن اس بارے میں ہم خاصے محتاط ہیں اور صرف وہی ادارے کھولنے کی منظوری دیتے ہیں جن کے لئے وسائل مہیا کئے جا سکتے ہیں۔

شاید آپ کو معلوم ہو گا کہ قیامِ پاکستان کے وقت ہمارے حصّے میں صرف دو میڈیکل کالج آئے تھے جن میں صرف دو سو طلباء کے داخلے کی گنجائش تھی۔ اس وقت تربیت یافتہ ڈاکٹروں کی تعداد صرف بارہ سو تھی۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حالت نسبتاً بہتر ہے۔ اس وقت ملک میں سولہ میڈیکل کالج اور پانچ پوسٹ گریجوایٹ میڈیکل سنٹر قائم ہیں جن میں چار ہزار ایم بی بی ایس اور دو سو پوسٹ گریجوایٹ طلباء کے داخلے کی گنجائش ہے۔

ان سہولتوں کے باوجود ملک میں باقاعدہ تربیت یافتہ ڈاکٹروں کی تعداد صرف اکیس ہزار ہے جن میں سے تقریباً سات ہزار ڈاکٹر بیرونِ ملک ہیں۔ اس طرح اندرونِ ملک دستیاب ڈاکٹروں کی تعداد کو اگر ملکی آبادی کے تناسب سے تقسیم کیا جائے تو سات ہزار افراد کے حصّے میں صرف ایک ڈاکٹر آتا ہے۔ موجودہ منصوبے کی تکمیل پر یہ شرح چار ہزار افراد فی ڈاکٹر ہو جائے گی جو پھر بھی ضرورت سے کہیں کم ہو گی۔

طبّی سہولتوں کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پھیلانے ـ خاص کر دیہی علاقوں تک پہنچانے کے لئے حکومت پوری کوشش کر رہی ہے۔ اس وقت چھوٹی آبادیوں اور دیہی علاقوں میں سات ہزار کے لگ بھگ رورل ہیلتھ سنٹر، بیسک ہیلتھ سنٹر، میٹرنٹی اور چائلڈ ہیلتھ سنٹر اور ڈسپنسریاں قائم ہیں۔ ہم ان کی تعداد کو بڑھانے کے لئے تگ و دو کر رہے ہیں۔ توقع ہے کہ موجودہ پانچ سالہ منصوبہ ختم ہونے تک ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ جائے گی۔

ان اداروں سمیت ہیلتھ سیکٹر پر حکومت اس وقت تقریباً ڈیڑھ سو کروڑ روپے سالانہ خرچ کر رہی ہے۔ جس کا چھبیس فی صد حصہ میڈیکل ایجوکیشن پر خرچ کیا جا رہا ہے اور ایک محتاط

اندازے کے مطابق ایک ڈاکٹر کو تربیت دینے پر حکومت کے سوا لاکھ روپے صرف ہوتے ہیں جب کہ میڈیکل کالجوں کی فیس اور ہوسٹلوں کا کرایہ برائے نام ہے۔

یہ اعداد و شمار آپ کے سامنے رکھنے کے کئی مقاصد ہیں :-

اوّل یہ کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ قیامِ پاکستان سے آج تک ہم کن مشکلات سے گزر کر موجودہ منزل پر پہنچے ہیں اور ابھی کتنا سفر طے کرنا باقی ہے۔

دوئم یہ کہ میڈیکل تعلیم کی سہولتوں کو عام کرنا آسان نہیں اس کے لئے بہت سے وسائل اور باقاعدہ منصوبہ بندی چاہیئے۔

تیسری اور سب سے اہم بات یہ کہ جہاں جہاں یہ سہولتیں دستیاب ہیں، ان سے آپ پورا پورا استفادہ کریں —— اور

چوتھی اور آخری بات یہ کہ جب آپ ملک و قوم کی مہیا کردہ ان سہولتوں سے فیضیاب ہو کر ڈاکٹر بن جائیں تو ملک و قوم کی اس نیکی کو یاد رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو، جس معاشرے نے آپ کو ڈاکٹر بننے کا اعزاز بخشا ہے اس کی خدمت کو مقصدِ حیات بنائیں۔ پیسہ اپنی جگہ اہم سہی لیکن یہ مقصدِ حیات نہیں بننا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ نے اہلِ وطن، خاص طور پر پسماندہ اور غریبوں کی دیکھ بھال کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیا تو آپ کو سکونِ قلب کی وہ دولت نصیب ہو گی جو کروڑوں روپے خرچ کر کے بھی خریدی نہیں جا سکتی۔

بس ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے آج مجھے یہاں بلا کر اپنے خیالات آپ تک پہنچانے کا موقع فراہم کیا۔ میں تقریر ختم کرنے سے پہلے دوبارہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے مسائل حل کرنے پر فوری توجہ دی جائے گی۔

پاکستان پائندہ باد

کل پاکستان بلدیاتی کنونشن سے خطاب

۶ مارچ ، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۶ مارچ ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں پہلے بلدیاتی کنونشن کے اختتامی اجلاس سے خطاب کیا۔ کنونشن کا افتتاح ۵ مارچ ۱۹۸۰ء کو وفاقی وزیر بلدیات میجر جنرل جمال سید میاں نے کیا تھا۔ افتتاحی اجلاس سے وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان اور صدر کے مشیر برائے امورِ خارجہ جناب آغا شاہی نے بھی خطاب کیا۔ جناب غلام اسحٰق خان نے اپنی تقریر میں ملک کے اقتصادی حالات پر روشنی ڈالی اور کہا کہ ملک کی اقتصادی ترقی میں بلدیاتی اداروں کو انقلابی کردار ادا کرنا ہے۔

جناب آغا شاہی نے اپنی تقریر میں ملک کی خارجہ پالیسی، خصوصاً افغانستان میں بیرونی فوجی مداخلت سے پیدا ہونے والی صورتِ حال اور پاکستان کے لئے اس کے مضمرات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کنونشن کے شرکاء کو بتایا کہ افغان صورتِ حال کی وجہ سے پاکستان کی دفاعی ضروریات میں اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ امریکی انتظامیہ نے پاکستان کو چار سو ملین ڈالر کے جس امدادی پیکیج کی پیش کش تھی اسے پاکستان نے مسترد کر دیا ہے۔ جناب آغا شاہی نے غیر جانبدار تحریک اور اسلامی بلاک سے یک جہتی اور اپنی قومی قوت پر انحصار کو ملک کی خارجہ پالیسی کے اہم عناصر قرار دیا۔

کنونشن کے شرکاء نے اپنی تقریروں میں بلدیاتی نظام کی بحالی پر صدر ضیاء الحق کی کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ صدر نے ۵ مارچ کو کنونشن کے شرکاء کے اعزاز میں ڈنر دیا جس میں وفاقی وزراء، صوبائی گورنر اور اعلیٰ

سول اور فوجی حکام نے بھی شرکت کی۔

صدرِ مملکت نے دونوں دن کنونشن کی صدارت کی اور مندوبین کی تقریریں سنیں۔

۶ مارچ کو اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدر نے ملک کے اندرونی اور بیرونی حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے حکومت کی کوششوں کا ذکر کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّینَ

وفاقی وزرا،

گورنر صاحبان،

بلدیاتی اداروں کے نمائندگان

اور

خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ میں سب سے پہلے وفاقی دارالحکومت میں آپ کی آمد پر اپنی اور آپ کی حکومت کی جانب سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اپنی روزمرہ کی مصروفیات سے وقت نکال کر ـــــ اور طویل سفر طے کر کے ـــ اس کنونشن میں شرکت کی اور آپ کے تعاون، محنت اور دلچسپی نے اس کنونشن کو کامیاب بنایا۔

بلدیاتی انتخابات میں آپ کی کامیابی پر میں آپ کو فرداً فرداً تحریری مبارکباد پہلے ہی بھیج چکا ہوں لیکن آپ کی یہاں موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آج بالمشافہ آپ کو دوبارہ

مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ ہماری تاریخ کے اس اہم موڑ پر پاکستانی عوام نے آپ پر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے، آپ اس پر پورا اتریں گے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

بلدیاتی انتخابات کے بعد آپ میں سے کئی اصحاب نے خطوط کے ذریعے مجھ سے ذاتی ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں اس جذبے کی تہہ دل سے قدر کرتا ہوں اور ان حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے یاد فرمایا اور اپنے مشوروں سے نوازا۔ ان میں سے اکثر حضرات کو فرداً فرداً جوابات بھی بھیجے گئے، لیکن شاید بعض نمائندوں کو ابھی تک یہ جواب موصول نہ ہوئے ہوں۔ ملاقات کی یہ خواہش یک طرفہ نہیں بلکہ دو طرفہ ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ عوام کے منتخب نمائندوں سے ملوں، اُن تک اپنے خیالات پہنچاؤں اور خود ان کے خیالات سے استفادہ کروں۔ یہ تقریب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ میں ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رکھوں گا اور اپنے آئندہ دوروں کے دوران بلدیاتی اداروں کے نمائندوں سے تفصیلی ملاقات کروں گا۔

حاضرینِ گرامی! اس کنونشن کے انعقاد کا مقصد:-

رائے عامہ

عوامی نمائندوں کا رول

عوام سے رابطہ

رائے عامہ کے سلسلے میں اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کا اپنا کردار ہے۔ ایک طرف تو ہم مغربی ممالک کی طرف رجوع کرتے ہیں اور قیادت اور اطوار وہاں ڈھونڈتے ہیں، دوسری طرف جو کردار انہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے اور اسلامی اقدار کا مذاق اڑانے میں ادا کیا ہے، اس سے بھی ہمیں بخوبی واقف ہونا چاہیئے۔ ملکی مفاد کو اوّلین رکھنا ہمارا فرض ہے۔ پاکستان کے صحافی ہم سب کی طرح فرشتے نہیں، لیکن میں نے آج کل ان پر کچھ بندش لگائی ہے۔ میں نے اس دو روزہ کنونشن کی کارروائی بڑے غور سے سُنی ہے جس کے

دوران تین وفاقی وزراء نے آپ کو قومی زندگی کے تین اہم شعبوں کے متعلق صورتِ حال سے آگاہ کیا ہے اور آپ نے اپنی تقاریر میں عوام کے خیالات اور احساسات حکومت تک پہنچائے ہیں ۔۔۔ اور یوں حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کا جو مقصد اس کنونشن کے پیشِ نظر تھا، پورا ہو گیا ہے۔

میں اپنی تقریر میں بلدیاتی انتخابات کے پس منظر اور بلدیاتی اداروں کے کردار اور کچھ قومی اقتصادیات پر روشنی ڈالوں گا۔ اس کے علاوہ میں تازہ ملکی حالات کے متعلق اظہارِ خیال کروں گا۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، مقامی حکومت کا نظام کسی نہ کسی شکل میں دنیا کے بیشتر ممالک میں رائج ہے۔ برِصغیر میں بھی بلدیاتی اداروں کا تصوّر بہت پرانا ہے۔ مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں اس کی شکل و صورت اور نام بدلتا رہا ہے، لیکن اس کا بنیادی مقصد تقریباً ایک ہی رہا ہے اور وہ یہ کہ حتی الامکان مقامی مسائل مقامی سطح پر حل کئے جائیں۔ گاؤں اور دیہہ کے چھوٹے چھوٹے جھگڑے آپس میں طے کر لئے جائیں تاکہ طویل مقدمہ بازی میں پیسہ اور وقت ضائع نہ ہو۔ تعلیم، صحتِ عامہ اور سماجی بہبود کے تمام کام مقامی وسائل کے مطابق اپنی مدد آپ کے تحت مقامی طور پر انجام دیئے جائیں تاکہ سڑک کی مرمت، سکول کی تعمیر، ڈسپنسری کے قیام، دواؤں کی فراہمی، پانی کی سپلائی اور بجلی کے کنکشن وغیرہ کے لئے بڑے بڑے شہروں اور بڑے بڑے دفتروں کے چکر نہ کاٹنے پڑیں۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ اتنی اہمیّت اور افادیت کے باوجود گزشتہ پندرہ سولہ برسوں میں بلدیاتی اداروں کے انتخابات نہ کرائے گئے جس کی وجہ سے ان اداروں پر یا تو سرکاری ملازمین کا قبضہ ہو گیا یا برسرِ اقتدار سیاسی پارٹی کے عہدہ دار چھا گئے حالانکہ ملک کے دستور میں بلدیاتی اداروں کی ضرورت کو تسلیم کیا جا چکا ہے، مگر اس کے باوجود اس

اہم شعبے کو کیوں نظر انداز کیا گیا ہیں اس کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا کیونکہ آپ میں سے اکثر و بیشتر حضرات اس سیاسی ڈرامے کے چشم دید گواہ ہیں۔

موجودہ حکومت نے بلدیاتی اداروں کی کمی کو محسوس کیا، ان کی اہمیت کو پہچانا اور انہیں معرضِ وجود میں لانے کے لئے بلدیاتی انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا۔ بعض حلقوں نے ہمارے اس فیصلے کی مخالفت کی اور طرح طرح کے شبہات کا اظہار کیا۔ اس مخالفت اور ان شبہات میں کوئی وزن نہیں تھا، اس لئے ہم نے انہیں نظر انداز کر کے عوام کے وسیع تر مفاد میں یہ انتخابات کرائے جس کے نتیجے میں آج آپ اس قومی کنونشن کے مندوبین کی حیثیت سے یہاں تشریف فرما ہیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہم نے یہ انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر کرائے تھے یعنی ان انتخابات میں نہ تو کوئی سیاسی جماعت اپنا نمائندہ کھڑا کر سکتی تھی اور نہ کوئی امیدوار کسی سیاسی جماعت کی مالی یا سیاسی حمایت حاصل کر سکتا تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ جو اُمیدوار کسی انتخابی حلقے میں عوام کی نمائندگی کا دعویدار بنے، اس کا اپنا کردار اتنا عمدہ اور بے داغ ہو کہ اس علاقے کے لوگ اس کی ایمانداری اور جذبۂ خدمت کو سامنے رکھ کر اس کو ووٹ دیں۔

مجھ سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس ملک میں ہر شخص کے اپنے سیاسی خیالات ہوتے ہیں اور آپ میں سے اکثر خواتین و حضرات جو آج یہاں موجود ہیں، اس سے مستثنیٰ نہیں، لیکن آپ جماعتی پشت پناہی کی بجائے اپنی مقبولیت کے زور پر منتخب ہوئے ہیں اور آج آپ یہاں کسی سیاسی جماعت کی بجائے عوام کے نمائندوں کی حیثیت سے تشریف رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے فرائض انجام دیتے وقت اسی جذبۂ خدمت اور قومی نقطۂ نظر کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں گے۔

آپ کو اپنے فرائض انجام دینے کے لئے جن اختیارات کی ضرورت ہے ان کا اعلان

کیا جا چکا ہے۔ ان میں ترقیاتی، انتظامی اور مالیاتی اختیارات شامل ہیں، لیکن میرے خیال میں آپ کی کامیابی کا دارومدار اور چیزوں کے علاوہ بنیادی طور پر تین باتوں پر ہے:

ایک : آپ کا اپنا کردار، دلچسپی اور جذبۂ خدمت۔

دوسرا : انتظامیہ کا رویّہ اور

تیسرا : مقامی ترقیاتی ضروریات کے لئے روپے پیسے کی فراہمی۔

جہاں تک انتظامیہ کے رویّے کا تعلق ہے، میں کئی موقعوں پر پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج صوبائی گورنروں، انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں اور آپ سب کے سامنے اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ سرکاری حکّام، حکومت کا عملہ اور خود ہم عوام کے حکمران نہیں، ان کے خادم ہیں۔ عوام کی نمائندگی کا شرف آپ کو حاصل ہے، عوام کی امنگوں کے ترجمان آپ ہیں اور انتظامیہ آپ کی معاون اور مددگار ہے۔ کس جگہ نئی سڑک درکار ہے، کہاں نیا سکول بننا چاہیئے، ڈسپنسری کا محلِ وقوع کیا ہونا چاہیئے اور کتنی رقم کس مد پر خرچ ہونی چاہیئے، اس کا فیصلہ آپ اور صرف آپ کو کرنا ہوگا۔ سرکاری ملازم آپ کو صرف مشورہ دیں گے، فیصلے کرنا اور ان پر عمل کرانا آپ کا کام ہوگا۔

بلدیاتی سطح پر آپ کی سوچ عوامی سوچ کی عکاس اور آپ کی زبان عوامی خواہشات کی ترجمان ہوگی۔ آپ کی اس سوچ کو نہ صرف کوئی غلط رنگ دے سکے گا اور نہ عوام کی اس زبان کو کوئی نظرانداز کرسکے گا۔ مقامی انتظامیہ آپ کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے میں آپ کا ہاتھ بٹائے گی اور صوبائی اور مرکزی سطح پر ترقیاتی منصوبوں کو آخری شکل دینے سے پہلے آپ کے علاقے کے متعلق آپ سے مشورہ کیا جائے گا۔

دوسرا اہم مسئلہ مالیات کا ہے۔ مجھے اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ عوام نے جن توقعات کے ساتھ آپ کو بلدیاتی اداروں میں بھیجا ہے، وہ اسی صورت میں پوری ہوسکتی

ہیں کہ آپ کے پاس اتنے فنڈز ہوں کہ آپ ان کی خدمت کرسکیں کیونکہ جذبۂ خدمت کا زبانی اظہار زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس کے لئے خدمتِ خلق کے کچھ کام کرنے پڑتے ہیں جو پیسے کے بغیر ممکن نہیں۔

فنڈز کے سلسلے میں بعض میونسپل کارپوریشنوں، میونسپل کمیٹیوں اور ضلع کونسلوں کی حالت قدرے بہتر ہے، لیکن یونین کونسلوں کی حالت، جہاں عوام کی اکثریت بستی ہے، ناگفتہ بہ ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر نے یا تو مقامی ٹیکس نہیں لگائے یا لگائے ہیں تو وصولی کا انتظام ناقص ہونے کی وجہ سے آمدنی میں کوئی معقول اضافہ نہیں ہوا۔

بلدیاتی اداروں کے اس تجربے کو جو کئی برسوں کے بعد شروع کیا گیا ہے، کامیاب بنانے کے لئے معقول مالی وسائل کا بندوبست کرنا ہوگا۔ ان وسائل کا ایک ذریعہ مقامی ٹیکس ہوسکتے ہیں اور دوسرا حکومت کی طرف سے ترقیاتی گرانٹ!

میں تمام صوبائی حکومتوں کو ہدایت کروں گا کہ سب بلدیاتی اداروں اور خاص طور پر یونین کونسلوں کی مالی حالت کا جائزہ لیں اور ایک ایسی سکیم تیار کریں جس کے تحت آئندہ مالی سال میں حتی المقدور ان کی مالی ضروریات پوری کی جاسکیں۔

اگرچہ وفاقی حکومت کے وسائل محدود ہیں اور موجودہ مالی سال میں خرچ کئے جانے والے فنڈز پہلے ہی تقسیم کئے جاچکے ہیں، لیکن موجودہ حالات میں بلدیاتی اداروں کو فعّال بنانے کے لئے میں وفاقی حکومت کی طرف سے دس کروڑ روپے کی خصوصی گرانٹ کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ رقم جو منصفانہ طور پر بلاتاخیر تمام بلدیاتی اداروں میں تقسیم کی جائے گی، اس مالی سال کے بقیہ تین چار مہینوں میں ترقیاتی کاموں پر خرچ کی جائے گی۔

مجھے معلوم ہے کہ اس رقم سے سارے مسائل حل نہیں ہوسکتے لیکن اس سے یقیناً آپ کی بعض اہم ضروریات پوری کرنے میں مدد ملے گی۔

مالی سال کے آخری حصے میں یہ رقم مخصوص کرنے سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ حکومت ان اداروں کو کامیاب اور مؤثر بنانے میں کتنی سنجیدہ ہے۔ اگر موجودہ مالی سال میں آپ کی بعض اُمیدیں تشنۂ تکمیل رہ گئیں تو یقین مانیے اس کی وجہ وسائل کی کمی ہو گی نہ کہ حکومتی رویہ۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس حکومت نے ہر طرح کی مخالفت کے باوجود ایک بھولے بسرے تصور کو عملی شکل دے دی ہے، وہ اسے کامیاب بنانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔

آپ کو اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے جہاں مالیات کی ضرورت ہے وہاں ماہرین کی خدمات بھی درکار ہوں گی۔ ماہرین مہیا کرنے کے لئے حکومت دو کام کر رہی ہے۔ ایک یہ کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے زیر نگرانی مختلف یونیورسٹیوں میں لوکل گورنمنٹ کے موضوع پر ڈپلومہ کورسز شروع کئے جا رہے ہیں تاکہ یہ تربیت یافتہ افراد مقامی اداروں کو مہیا کئے جا سکیں۔ علاوہ ازیں ہر ڈسٹرکٹ کونسل میں سٹڈی سنٹر قائم کئے جائیں گے اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا لوکل گورنمنٹ کے موضوع پر ریسرچ کریں گے۔ لوکل گورنمنٹ کے نظام کو بہتر بنانے کے لئے اس ریسرچ اور سٹڈی سے استفادہ کیا جائے گا۔

دوسرا کام یہ ہو رہا ہے کہ متعلقہ وفاقی وزارت ایک توسیعی پروگرام تیار کر رہی ہے جس کے تحت بلدیاتی اداروں کے نمائندوں اور متعلقہ ملازمین کو بلدیاتی اداروں کو چلانے کی تربیت دی جائے گی۔ اسی سلسلے میں اسلام آباد میں ایک "قومی مرکز برائے مقامی ترقی" قائم کیا گیا ہے جو لوکل باڈیز سے متعلق تربیت اور تحقیق کا اعلیٰ ترین مرکز ہو گا۔ اس مرکز میں بلدیاتی اداروں کے نمائندے، سرکاری ملازمین اور ماہرین مل بیٹھ کر لوکل گورنمنٹ سے متعلق تمام مسائل کا جائزہ لیں گے اور ان کا حل تلاش کریں گے۔

ماہرین کی خدمات کے علاوہ آپ کے لئے میرا یہ بھی مشورہ ہے کہ جب آپ کو فنی قسم کے مسائل یعنی حیوانات کی افزائش اور دیکھ بھال، زمین کی تیاری، زمینی وسائل کی ترقی چھوٹی

صنعتوں کے فروغ، ذرائع رسل و رسائل کی بہتری، تعلیم، منصوبہ بندی یا مالیات وغیرہ سے واسطہ پڑے تو اس کام کے لئے ضلعی سطح پر ماہرین کی کمیٹیاں تشکیل دیں اور ان کے ماہرانہ مشوروں سے استفادہ کریں۔

اس کے علاوہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے علاقے میں تمام سرکاری سرگرمیوں کا محور آپ ہوں۔ اگر آپ کے علاقے میں کپاس، چاول اور دیگر تجارتی اجناس پیدا ہوتی ہیں تو اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک ان کی تجارت کے لئے آپ رابطے کا کام دیں۔ مثلاً اگر ایک علاقے میں کپاس بہت زیادہ پیدا ہوئی ہے اور اسے اٹھانے کوئی نہیں آیا، یا کپاس اٹھالی گئی ہے لیکن Ginners نے کاشتکاروں کو پیسے نہیں دیئے تو کاشتکار کو آپ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیئے اور یہ آپ کا کام ہونا چاہیئے کہ آپ متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کرکے اس کی تکلیف دور کرسکیں۔ یہی حال کھاد، بیج، جراثیم کش دواؤں اور دوسری زرعی سہولتوں کا ہونا چاہیئے یعنی اگر کسی کاشتکار کو بروقت بیج نہیں ملا، یا اسے کھاد حاصل کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے تو اس کے درد کا مداوا آپ کو کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں تمام متعلقہ حکام آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔

یہ سارے کام آپ یقیناً دنیا داری یا ووٹ کا حق ادا کرنے کے لئے کریں گے، لیکن میں آپ کو ایک ایسے کام میں شریک کرنا چاہتا ہوں جس سے آپ کی دنیا بھی سنور سکتی ہے اور آخرت بھی۔ میری مراد نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز تر اور زیادہ مؤثر بنانے سے ہے۔ اس سلسلے میں بعض اقدامات حکومت کے کرنے کے ہیں اور بعض فرائض آپ کے ذمے ہیں۔ نفاذِ اسلام کے لئے کئی قوانین کا اعلان پہلے کیا جاچکا ہے اور پرانے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور مزید اسلامی قوانین بنانے کے لئے کام ہو رہا ہے، لیکن آپ اسلام کے نظام اور اقدار کو اپنے حلقۂ اثر میں رائج کرنے کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہیں۔ بعض علاقوں میں تو سرکاری احکامات

سے پہلے ہی اسلامی قوانین مثلاً زکوٰۃ اور عشر کا نظام یا بیت المال کا قیام وجود میں آ چکا تھا اور بعض اَب اس طرف توجہ دے رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ نفاذِ اسلام کے لئے ملک میں آج کل جو سازگار فضا پائی جاتی ہے آپ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے اور اسلامی اقدار کو اپنے اپنے علاقے میں روزمرّہ زندگی کا حصہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

اس سلسلے میں آپ عازمینِ حج کی بھی بہت خدمت کر سکتے ہیں۔ حاجیوں کی تنظیم، ان کی ٹریننگ کے لئے امیروں کا انتخاب اور حج سے متعلق معلومات کی فراہمی ایسے شعبے ہیں جہاں آپ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں وزارتِ مذہبی امور کا شعبۂ حج اور دیگر حکاّم آپ سے پورا تعاون کریں گے۔

خواتین و حضرات!

بلدیاتی اداروں کی اہمیّت اور دائرہ کار کے بعد میں علاقائی صورتِ حال کے متعلق آپ کو اعتماد میں لینا چاہتا ہوں، لیکن خارجی تعلقات کے ذکر سے پہلے دو چار جملے داخلی حالات کے بارے میں بے محل نہ ہوں گے۔

آپ ملک کے مختلف حِصّوں سے تشریف لائے ہیں۔ عوام سے آپ کا براہِ راست رابطہ ہے۔ آپ ان کے خیالات اور احساسات سے بخوبی واقف ہیں۔ دوسرے الفاظ میں آپ کو ملک کے اندرونی حالات کے متعلق مجھ سے بہتر علم ہوگا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں سیدو شریف سے کوئٹہ، گلگت سے کوٹری اور پشاور سے کراچی تک ملک کے طول و عرض میں جہاں بھی گیا ہوں، مجھے وہاں کے عوام سے ملاقات کے دوران یہی تاثر ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملک میں خود اعتمادی، اتحاد اور یک جہتی کی جو فضا آج قائم ہے، پچھلے کئی سالوں میں نہ تھی۔ میرے اس تاثر کی تائید آپ کی ان تقریروں سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے کل اور آج اس ایوان میں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس اتحاد کو قائم و دائم رکھے اور اسے مضبوط

سے مضبوط تر بنائے۔

حاضرینِ گرامی! علاقائی صورتِ حال کے بارے میں آپ امورِ خارجہ کے مشیر کی تقریر سن چکے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ہر ذہن میں اٹھنے والے ان سوالوں کے جواب آپ کو ان کی تقریر سے مِل چکے ہوں گے کہ مسئلہ افغانستان کیا ہے؟ یہ کیوں پیدا ہوا؟ پاکستان پر اس کا کیا اثر پڑا ہے اور ہم اپنی قومی سلامتی اور ملکی بقا کے لئے کیا اقدامات کر رہے ہیں؟ لہٰذا میں اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کی بجائے صرف ایک دو باتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں گا۔

افغانستان ایک عرصے سے اسلامی اور غیر جانبدار ملک کی حیثیت سے اقوامِ عالم میں پہچانا جاتا تھا۔ ہم اس کے ہمسایہ ہونے کی وجہ سے اس کی اس حیثیت سے مطمئن تھے یہی وجہ ہے کہ وہاں گزشتہ سات آٹھ برسوں میں کئی حکومتیں بدلیں، کبھی اندرونی حالات کی وجہ سے اور کبھی بیرونی طاقت کے ایما پر لیکن ہم نے ان تبدیلیوں کو ہمیشہ افغانستان کا اندرونی مسئلہ سمجھا کیونکہ ہم اصولی طور پر دوسرے ممالک کے معاملات میں دخل اندازی کے خلاف ہیں۔ البتہ دو ڈھائی ماہ پہلے وہاں جو تبدیلی آئی وہ کوئی معمولی تبدیلی نہ تھی۔ یہ ایک حکومت کے ٹوٹنے اور دوسری حکومت کے بننے کی بات نہ تھی نہ یہ ایک صدر کے عروج اور دوسرے صدر کے زوال کا واقعہ تھا بلکہ یہ ایک آزاد، مسلمان اور غیر جانبدار ملک میں ایک بیرونی طاقت کی کھلم کھلا فوجی مداخلت تھی جس کے خلاف دیگر اقوامِ عالم کی طرح ہم نے آواز اٹھائی۔ ہم ہر قسم کی بیرونی مسلح مداخلت کے اصولی طور پر خلاف ہیں، خواہ اس مداخلت کا ذمہ دار چھوٹا ملک ہو یا بڑا، سرمایہ دار ہو یا اشتراکیت پسند، مغرب میں واقع ہو یا مشرق میں۔ ہماری اس اصولی مخالفت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اس رویّے کو فوری طور پر نہ روکا گیا تو کسی ملک کا وجود بھی خطرے سے خالی نہیں رہے گا کیونکہ اگر ایک طاقتور ملک نے آج ایک کمزور ملک میں فوجی مداخلت کر لی اور دنیا خاموش

رہی تو کل کوئی زیادہ طاقتور ملک کم طاقتور ملک پر فوج کشی کر دے گا اور یوں بین الاقوامی تعلقات میں وہ ناروا اور ناقابلِ قبول رویّہ چل نکلے گا جس کی وجہ سے کسی کے لئے بھی اس دنیا میں رہنا ناممکن ہو جائے گا اور اس وسعت پسندی کا شکار سب سے پہلے چھوٹے اور کمزور ممالک ہوں گے ایسی صورتِ حال کا سدِّباب کرنا ساری عالمی برادری کا اوّلین فرض ہے۔

افغانستان میں یہ اہم تبدیلی رونما ہونے سے پاکستان کے لئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ بیشک اس وقت صورتِ حال پیچیدہ اور مشکل ہے، لیکن زندہ قوموں پر ایسے وقت آتے ہی رہتے ہیں۔ وہ حالات سے گھبراتی نہیں بلکہ ان کا مردانہ وار مقابلہ کرتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں ہم اگر کوئی جذباتی ردّعمل دکھانے کی بجائے ہمت، اعتماد اور ٹھنڈے دل سے کام لیں تو بادل خود بخود چھٹ جائیں گے۔ پاکستان نہ اپنی دفاعی کوششوں میں اکیلا ہے اور نہ افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کے مطالبے میں تنہا ہے۔ پوری دنیا اس بات پر مُصر ہے کہ روسی فوجوں کو واپس بلا کر افغانستان کا تاریخی غیر جانبدار کردار بحال کیا جائے۔

افغانستان کی اندرونی افراتفری کی ذمہ داری وقتاً فوقتاً پاکستان پر بھی ڈالی جاتی ہے اور ہماری تردیدوں کے باوجود ہم پر یہ شرانگیز، بے بنیاد اور من گھڑت الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم دوسروں کے آلۂ کار بن کر یا اپنے طور پر افغانستان کے اندرونی معاملوں میں مداخلت کر رہے ہیں اور افغان مہاجرین کو فوجی تربیت اور فوجی امداد دے رہے ہیں۔ ممکن ہے اس بار بار الزام تراشی کا مقصد ان مذموم کوششوں پر پردہ ڈالنا ہو جن کے تحت روس افغانستان میں اپنی موجودگی کو طول دینا چاہتا ہے، لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم ان بے بنیاد الزامات کی پہلے بھی کئی مرتبہ تردید کر چکے ہیں۔ اگر انہیں ہماری ان تردیدوں پر اعتبار نہیں تو میں افغانستان کے حکمرانوں کو تین متبادل تجاویز پیش کرتا ہوں۔

پہلی تجویز یہ ہے:

کہ کوئی بھی بین الاقوامی ادارہ پاکستان میں قائم افغان مہاجر کیمپ کا جس وقت چاہے معائنہ کرسکتا ہے تاکہ وہ خود اس بات کی تصدیق کرسکے کہ پاکستان افغان مہاجرین کو کسی قسم کی فوجی تربیت نہیں دے رہا بلکہ اس کی ساری امداد انسانی ہمدردی کے تحت بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنے تک محدود ہے۔

دوسری تجویز یہ ہے :

کہ اگر پھر بھی کسی کو شبہ ہے کہ افغانستان میں تربیّت یافتہ مجاہدین یا ان کے لئے اسلحہ پاکستان سے جارہا ہے تو اس کا ایک حل یہ ہے کہ افغانستان اپنے بارڈر کو سیل کرلے۔

ہماری تیسری تجویز یہ ہے :

کہ افغانستان کے اندر ایک بین الاقوامی امن فوج متعیّن کی جائے تاکہ وہ اس بات کی ضمانت دے سکے کہ کوئی بیرونی طاقت افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے پائے۔

امن فوج کی تشکیل کے بارے میں بھی ہم کوئی شرائط عائد نہیں کرنا چاہتے۔ وہ چاہیں تو یہ فوج اسلامی ممالک کے فوجی دستوں پر مشتمل ہوسکتی ہے، اگر انہیں مسلمان فوجی پسند نہیں تو غیر جانبدار ممالک یہ امن فوج مہیا کرسکتے ہیں اور اگر انہیں اقوامِ متحدہ پر اعتماد ہے تو اقوامِ متحدہ امن فوج متعیّن کرسکتی ہے۔

معزّز خواتین وحضرات! میں یہ تجاویز خلوصِ دل سے عالمی امن اور علاقائی سلامتی کے وسیع تر مفاد میں پیش کررہا ہوں ورنہ ہمیں صورتِ حال کی نزاکت کا پورا احساس اور اس سے نمٹنے کے لئے اپنی صلاحیتوں پر پورا اعتماد ہے۔ ہمارے پاس مادی وسائل کی کمی سہی لیکن ہمارے پاس قوّتِ ایمانی اور تحفّظِ آزادی کا وہ لافانی جذبہ ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ ہماری مسلح افواج ضروری اسلحے اور اعلیٰ ترین پیشہ ورانہ مہارت سے لیس ہیں اور ہمارے

عوام اپنی آزادی کے تحفّظ کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں، لیکن ہماری یہ کوشش ہے کہ اس علاقائی بحران کو ہتھیاروں کی بجائے پرامن طریقے سے حل کیا جائے۔

ہماری ڈپلومیسی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ بالعموم اور پڑوسی ممالک کے ساتھ بالخصوص پُرامن اور دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں۔ ہم کسی کے خلاف کوئی جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم صرف اپنی آزادی اور سالمیّت کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں جس کے لئے ہم نے یہ لائحہ عمل اختیار کر رکھا ہے اور ہم اسلامی ممالک کی یک جہتی واتحاد کے قائل ہیں :۔

۱۔ اسلامی ممالک جن کے ساتھ ہمارے مذہبی، ثقافتی اور نظریاتی تعلقات ہیں، ہماری خارجہ پالیسی کا اہم ستون ہیں۔ ہم ان کے ساتھ باہمی اتحاد اور تعاون کو فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۲۔ عوامی جمہوریہ چین ہمارا آزمودہ اور قابلِ اعتبار دوست ہے ہم اس کی دوستی کو نہایت قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۳۔ غیر جانبدار ممالک کی تحریک میں اپنی حالیہ شمولیت پر ہم فخر محسوس کرتے ہیں اور اس باوقار تحریک کے رکن کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کو تیار ہیں۔

۴۔ ہم ہندوستان سمیت تمام ہمسایہ ممالک کے ساتھ برابری اور باہمی احترام کی بنیاد پر دوطرفہ تعلقات کو فروغ دینا چاہتے ہیں اور

۵۔ ہم بڑی طاقتوں کی رقابتوں سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم نہ ایک بڑی طاقت کی حمایت حاصل کرتے کرتے' دوسری بڑی طاقت کی دشمنی مول لینا چاہتے ہیں اور نہ کسی ایک سے دشمنی نباہنے کی خاطر دوسرے کے حاشیہ بردار بننا چاہتے ہیں۔

ہم ان خطوط پر اپنی خارجہ پالیسی کو چلا کر ملکی مفادات کا تحفّظ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ہم انشاء اللہ اپنی ان کوششوں میں ضرور کامیاب بھی ہوں

گے، لیکن میں ایک بات آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ آزاد' باوقار قومیں اپنی آزادی اور سلامتی کا دفاع ہمیشہ خود کرتی ہیں، کوئی ملک کسی دوسرے ملک کی آزادی کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ یہی تاریخِ عالم کی شہادت اور یہی ہماری اپنی تاریخ کا سبق ہے۔ اس لئے میں آپ کو دوٹوک الفاظ میں بتا رہا ہوں کہ اگر کبھی آزمائش کا وقت آیا تو پاکستانی عوام کو اپنی مسلّح افواج کی پشت پناہی میں اپنی آزادی کا تحفّظ خود کرنا ہوگا، اپنی سالمیت کی قیمت خود ادا کرنی ہوگی اور اپنے مستقبل کی ضمانت خود دینا ہوگی۔

یقین جانئے آٹھ کروڑ عوام کوئی مٹھی بھر تنکے نہیں جو پھونک مارنے سے اڑ جائیں گے۔ یہ کوئی تر نوالہ نہیں جسے کوئی یونہی ہڑپ کر جائے گا۔ یہ فرزندانِ توحید عزم و ہمّت کی وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جس سے ٹکرانے کی کسی کو جرأت نہیں ہوسکتی۔ ضرورت صرف اپنی صفوں میں اتحاد، اپنی صلاحیتوں پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنے مستقبل پر ایمان کو قائم رکھنے کی ہے۔ یہ اوصاف اس قوم میں بدرجۂ اتم موجود ہیں جن کا مظاہرہ یہ ماضی میں کئی بار کر چکی ہے اور وقت آنے پر آئندہ بھی ان ہتھیاروں کو اپنے دفاع کے لئے استعمال کرے گی۔

آپ نے اس کنونشن کی دو روزہ کارروائی میں گہری دلچسپی لی ہے اور خارجہ امور اور ترقیاتی کاموں کے متعلق تفصیلاً اظہارِ خیال کیا ہے۔ خارجہ امور کے بارے میں آپ کے خیالات سے ہماری خارجہ پالیسی کو تقویّت ملی ہے اور ہم آئندہ لائحہ عمل متعین کرتے وقت آپ کے ان خیالات کو ملحوظ رکھیں گے۔ ترقیاتی کاموں کے متعلق آپ نے جو نکات یا تجاویز پیش کی ہیں' انہیں میں نے اور گورنر صاحبان نے نوٹ کر لیا ہے۔ اگلے مالی سال کا سالانہ ترقیاتی پروگرام مرتب کرتے

وقت حکومت ان باتوں کو پیشِ نظر رکھے گی اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی پوری کوشش کرے گی۔ انشاءاللہ۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو!

پاکستان پائندہ باد

علاّمہ اقبال میڈیکل کالج کی پہلی سالانہ تقریب سے خطاب

۹ مارچ، ۱۹۸۰ء

علاّمہ اقبال میڈیکل کالج لاہور کی پہلی سالانہ تقریب ۹ مارچ، ۱۹۸۰ء کو ہوئی۔ صدرِ مملکت نے اس تقریب کی صدارت کی اور کالج کے ممتاز طلبا کو انعامات دیئے۔ صدر نے اس موقع پر کالج کا نیا پرچم بھی لہرایا۔

صدر نے اپنی تقریر میں کالج کے طلبا کو خاص طور سے اپنی تعلیم پر توجہ دینے اور اپنے ادارے کی شاندار روایات قائم کرنے کی نصیحت کی اور کالج کے مختلف مسائل حل کرنے کے لئے ضروری اقدامات کا اعلان کیا۔ صدر نے یہ اعلان بھی کیا کہ لاہور میں شیخ زید بن سلطان ٹرسٹ جو جدید ہسپتال تعمیر کر رہا ہے وہ علامہ اقبال کالج سے بحیثیت ٹیچنگ ہسپتال کے ملحق ہوگا۔ صدر نے کالج کے درجہ چہارم کے ملازمین کے لئے خصوصی عطیے کا اعلان بھی کیا۔

اس سے پہلے کالج کے پرنسپل ڈاکٹر افتخار احمد اور کالج سٹوڈنٹس یونین کے صدر منصور احمد خان نے خیر مقدمی تقریریں کیں اور ملک میں تعلیمی معیار بلند کرنے کے لئے حکومت کی کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ پرنسپل صاحب نے اپنی تقریر میں ۱۹۷۵ء میں قیام کے بعد سے کالج کی کارگزاری بیان کی اور اس کو درپیش مسائل کی طرف توجہ دلائی۔

تقریب میں صوبہ پنجاب کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل سوار خان، فیڈرل سیکرٹری ہیلتھ لیفٹیننٹ جنرل

(ریٹائرڈ) سی۔ کے۔ حسن اور دوسرے اعلیٰ سول اور فوجی حکام بھی موجود تھے۔

اسی روز گورنر پنجاب نے صدرِ مملکت کے اعزاز میں ڈنر دیا جس میں صوبائی مشیروں، صوبائی چیف سیکرٹری اور دوسرے اعلیٰ سول اور فوجی حکام نے شرکت کی۔

دوسرے دن صدرِ مملکت نے پنجاب یونیورسٹی کی نئی عمارت کے قریب علامہ اقبال کالج کے نئے کیمپس کا سنگِ بنیاد رکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب گورنر پنجاب، جنرل سوار خان صاحب،

علامہ اقبال میڈیکل کالج کے پرنسپل، پروفیسر افتخار احمد صاحب،

اساتذۂ کرام،

عزیز طلبا و طالبات،

مہمانانِ گرامی

اور

خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ گزشتہ آٹھ دس روز میں میرا یہ دوسرا موقع ہے کہ میں کسی میڈیکل کالج کی تقریب میں شریک ہو رہا ہوں۔ اس سے یہ جتانا مراد نہیں کہ میں آپ حضرات کی کتنی خدمت کر رہا ہوں بلکہ یہ باور کرانا مقصود ہے کہ ہم نہ صرف تعلیم بلکہ میڈیکل تعلیم میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں اور ہماری یہ کوشش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے وہ تمام سہولتیں مہیا کر دی جائیں جن سے صحیح معنوں

میں طبی تعلیم کا حق ادا ہو سکے۔

سب سے پہلی بات جس کی طرف میری توجہ گئی ہے، آپ کا حسنِ انتظام اور آپ کا جذبہ ہے۔ میں نے بہت سے کالجوں کی تقریبات میں شرکت کی ہے، لیکن جس خوش اسلوبی، نظم و ضبط اور احسن طریقے سے آپ نے اس فنکشن کا انتظام کیا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جس احسن طریقے سے آپ اپنے اس فنکشن کو کامیاب بنانے کے خواہاں ہیں، اپنے اصل مقصد یعنی حصولِ تعلیم کے جذبے کو بھی اس طرح فروغ دیں گے۔ میں آپ سے صرف ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ نوجوان طبقہ ہر قوم کا ایسا سرمایہ ہوتا ہے جس پر ساری قوم فخر کرتی ہے۔ قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں نوجوان طبقے نے جو کردار انجام دیا وہ آپ کو معلوم ہوگا۔ میں جہاں جاتا ہوں نوجوان نسل سے اپیل کرتا ہوں کہ پاکستان آج جن حالات سے گزر رہا ہے ان میں نوجوان نسل کا کردار ویسا ہی تعمیری ہونا چاہیئے جیسا کہ قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں تھا۔ اسی جذبے کے ساتھ آپ کو پاکستان کو مستحکم بنانے کے لئے پاکستان کی بقا کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی۔ ان حالات میں آپ اپنا کردار تب ہی بہتر طور پر ادا کر سکتے ہیں جب آپ اپنی تعلیم کی طرف پوری توجہ دیں۔ آج کی نوجوان نسل ہی کل کی قیادت سنبھالے گی اس لئے آپ کو نہ صرف تعلیم پر پوری توجہ دینی چاہیئے بلکہ وہ جذبہ بھی پیدا کرنا چاہیئے جس کے باعث یہ قوم اپنے آپ کو متحد قوم سمجھے، یہ ملک اپنے آپ کو مضبوط ملک سمجھے اور سوائے خدا کے ہم کسی اور کے عذاب یا عتاب سے نہ ڈریں۔ جب آپ میں یہ قومی جذبہ پیدا ہو جائے گا، جب یہ قوم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی تمنا کرے گی تو آپ یقین جانیئے کہ پھر اس کے سامنے خواہ علامہ اقبال میڈیکل کالج کے شعبۂ حادثات کا مسئلہ ہو خواہ علامہ اقبال میڈیکل کالج لائبریری میں کتابوں کا مسئلہ ہو، سب خود بخود حل ہو جائیں گے۔ جذبہ اور شوق شرط ہے۔

آپ کی اجازت سے ایک گزارش میں ڈاکٹر صاحبان سے کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ آپ کی انجمن کے صدر نے کہا ہے، مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ اس کالج کے اساتذۂ کرام کی کارکردگی

قابلِ ستائش ہے۔ اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں یہ اپیل ان ڈاکٹر صاحبان سے کرنا چاہتا ہوں جن کی زندگی میں سوائے پرائیویٹ پریکٹس کے اور کوئی چیز کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور مجھے اُمید ہے کہ آج کے طالب علم جو کل ڈاکٹر بننے والے ہیں، وہ بھی اس طرف توجہ دیں گے کہ قوم کی خدمت ہیں عظمت سمجھیں نہ کہ روپیہ پیسہ کمانے میں۔

ایک اپیل مجھے اور کرنا ہے جس کے موضوع کی طرف جناب پرنسپل صاحب نے اپنی تقریر میں اشارہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر طالب علم کا یہ فرض ہے کہ وہ فارغ التحصیل ہونے اور برسر روزگار ہونے کے بعد اپنے سابقہ تعلیمی ادارے کی مدد کرے۔ چند روز قبل راولپنڈی میڈیکل کالج میں بھی میں نے اس بات کا ذکر کیا تھا۔ اس کے بعد ایک وکیل صاحب سے میری ملاقات ہوئی جو آج کل امریکہ میں ہوتے ہیں انہوں نے مجھے بتایا کہ جس امریکی یونیورسٹی سے انہوں نے تعلیم حاصل کی ہے، اسکی طرف سے ہر سال انہیں ایک خط موصول ہوتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ دیکھئے آپ نے اس یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہے اور اس تعلیم کی بنا پر آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ہیں، اس لئے آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ اپنی یونیورسٹی کو اپنی آمدنی میں سے اس کا حصہ دیں۔ اس ذکر سے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی جہاں پیسے کی فراہمی کے مسائل نہیں ہیں تعلیمی ادارے اپنے طلبا اور تعلیم یافتہ طبقے سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ اپنے کالج یا یونیورسٹی کو دیں گے۔ میں نے تمام صوبائی حکومتوں سے کہا ہے، وائس چانسلروں سے اپیل کی ہے کہ اپنے طلبا کی فہرست اپنے پاس رکھیں، ان سے رابطہ رکھیں اور نہ صرف ڈاکٹروں اور انجنیئروں بلکہ تمام تعلیم یافتہ لوگ جو آپ کے کالج یا یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے ہیں، ان سے کہیئے کہ اب آپ کا یہ فرض ہے کہ اپنی آمدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ ہر سال یا ہر ماہ اپنے کالج یا یونیورسٹی کو دیں۔ اگر ڈاکٹر بننے کے بعد ہر طالب علم سالانہ ایک ہزار روپیہ اپنے کالج کو دے تو دیکھئے یہ پندرہ سو طلبا اور آئندہ برسوں میں آنے والے طلبا جب ہر سال ایک ہزار روپیہ فی کس اپنے کالج کو دیں

گے تو بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔

آپ کے کالج کی کچھ ضروریات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب میں ان کی طرف آتا ہوں۔ ہمارے ہاں پالیسی کچھ اس قسم کی رہی ہے کہ کسی عمارت کو نام دے دیا گیا کہ یہ ایک سکول ہے۔ اگلے روز اس عمارت کو نام دیدیا گیا کہ یہ ایک کالج ہے۔ اس کالج کا فرش ہے یا نہیں، چھت ہے یا نہیں، طالب علم ہیں یا نہیں، استاد ہیں یا نہیں، پروا نہیں کی گئی۔ گزشتہ تین سال سے ہماری یہ تمنا ہے کہ ان اداروں کو مستحکم بنائیں، بہتر بنائیں۔ اس سلسلے میں صوبائی حکومت اور وفاقی حکومت نے خصوصی طور پر میڈیکل کالجوں کی طرف توجہ دی ہے یہ توجہ انشاء اللہ آئندہ بھی رہے گی۔ میڈیکل کالج کے لئے تربیتی ہسپتال کا ہونا لازمی ہے۔ آپ کے کالج کے بارے میں مَیں نے جنرل سوار خاں صاحب سے بات کی ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ جنرل ہسپتال آپ کے کالج کے لئے تربیتی ہسپتال کا کام دے۔ ایک اور ہسپتال یہاں شیخ زید بن سلطان النہیان ہسپتال کے نام سے بن رہا ہے۔ میں اس ہسپتال کو بھی آپ کے کالج کے لئے تربیتی ہسپتال قرار دیتا ہوں۔

ہر کالج کے لئے، خاص طور پر میڈیکل کالجوں کے لئے اچھی لائبریری کا ہونا لازمی ہے۔ لائبریری میں چند کتابوں کی نہیں سینکڑوں کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ میڈیکل کی کتابیں اتنی مہنگی ہوتی ہیں کہ ہر طالب علم خریدنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لئے کتاب بنک کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے دس لاکھ روپے کا عطیہ میں اپنی طرف سے دیتا ہوں۔ لائبریری کا منصوبہ جیسا کہ ہم نے راولپنڈی میڈیکل کالج کے لئے بندوبست کیا ہے، دو سال کا منصوبہ ہوگا۔ آدھی رقم اسی سال مہیا کر دی جائے گی اور آدھی رقم اگلے مالی سال میں مجھے اُمید ہے کہ اس سے آپ کے کالج میں اچھی لائبریری قائم کرنے میں کافی مدد ملے گی اور طلبا و طالبات کی ضرورت پوری ہو سکے گی۔

بعض طالب علموں کی مالی حالت اتنی اچھی نہیں ہوتی کہ وہ صحیح معنوں میں اپنی تعلیم پوری کر سکیں۔ پچھلے دنوں مجھے راولپنڈی میں چند ایسے طالب علموں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو رات کو ہوٹلوں

میں کام کرتے ہیں تاکہ اپنی فیس کی رقم پوری کر سکیں اور دن میں کالج میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ کالج کا فرض ہے؛ یہ آپ کا اور میرا بھی فرض ہے کہ ہم ان طلبا اور طالبات کے لئے ایسے ذرائع مہیا کریں کہ انہیں مالی امداد کی کوئی فکر نہ ہو۔ جو طالب علم امتحانوں میں اچھی پوزیشن لیتے ہیں انہیں وظیفے ملتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی مشکل نہیں لیکن اوسط درجے کے طالب علم جنہیں مالی امداد کی ضرورت ہو ان کی مشکلات متعلقہ تعلیمی اداروں ہی میں حل ہونی چاہئیں۔ ہونا یہ چاہیئے کہ وہ میری یا جنرل سوار خاں کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اپنے کالج کے پرنسپل یا استاد کی طرف رجوع کریں۔ میں آپ کے کالج کے پرنسپل صاحب کو ایک لاکھ روپے کی رقم دیتا ہوں تاکہ وہ ایسے طالبعلموں کے لئے کچھ کر سکیں جنہیں سہارے کی ضرورت ہو لیکن شرط یہ ہے کہ یہ رقم پرنسپل صاحب بطور قرضِ حسنہ دیں گے۔ جب یہ طالب علم ڈاکٹر بن جائیں تو یہ رقم واپس کر دیں تاکہ دوسرے مستحق طالبعلم اس سے فیضیاب ہو سکیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی طرف سے درجۂ چہارم کے ملازمین کے لئے کچھ رقم مختص کی ہے۔ یہ ملازمین جن میں لیبارٹری اسسٹنٹ بھی شامل ہیں، کم تنخواہ پاتے ہیں۔ ان کی تنخواہوں کے بارے میں مَیں نے پہلے ہی حکومت پنجاب کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ گورنر صاحب جو یہاں موجود ہیں، اس طرف توجہ دیں گے۔ میں اپنی طرف سے کالج کے درجۂ چہارم کے ملازمین کے بہبود فنڈ میں پچاس ہزار روپے جمع کراتا ہوں۔

آج کے جدید دور میں تعلیم کے لئے بہت سی ٹیکنالوجیکل سہولتیں میسر ہیں جن میں محدود سرکٹ کا ٹی وی ایک اہم سہولت ہے۔ میں ڈاکٹر صاحب سے ذکر کر چکا ہوں کہ کالج میں کلوز سرکٹ ٹی وی نصب کرایا جانا چاہیئے تاکہ تدریسی شعبوں میں اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ اس کی لاگت وفاقی حکومت ادا کرے گی۔

مجھے اُمید ہے کہ اس رقم سے آپ کی ساری ضروریات تو نہیں البتہ کچھ توقعات پوری ہو سکیں

گی۔ میں آپ کا مشکور ہوں، آپ کے پرنسپل صاحب کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے نوجوان نسل کے سامنے اظہارِ خیال کا موقع دیا نوجوان نسل کے وہ لوگ جو مستقبل کے ڈاکٹر ہیں اور قوم کی خدمت کریں گے۔

اس تقریب کا نظم وضبط سے اہتمام کرنے اور اسے پُروقار بنانے پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

انسٹی ٹیوشن آف انجینئرز کے سالانہ اجلاس سے خطاب

۱۰ مارچ ۱۹۸۰ء

۱۰ مارچ ۱۹۸۰ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے لاہور میں انسٹی ٹیوشن آف انجینئرز پاکستان کے ۲۳ ویں سالانہ کنونشن کا افتتاح کیا۔ اس پانچ روزہ کنونشن میں پورے ملک سے ۵۰۰ سے زیادہ ممتاز سائنسدانوں اور انجینئروں نے شرکت کی۔

صدر نے اپنی تقریر میں حکومت کے اس عزم کا اعادہ کیا کہ پاکستان کا ایٹمی ترقیاتی پروگرام جو پُرامن مقاصد کے لئے ہے، پوری تیز رفتاری سے جاری رکھا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا یہ پروگرام قومی معیشت کے لئے انتہائی اہم ہے اور ایک آزاد ملک کی حیثیت سے ایٹمی ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا ہمارا حق ہے۔

صدر نے اپنی تقریر میں انجینئرز سے کہا کہ وہ ملک کے زرعی مسائل کے حل پر خاص توجہ دیں کیونکہ سیم اور تھور جیسے مسائل پر قابو پائے بغیر ہم اپنی زراعت کو ترقی نہیں دے سکتے۔

صدرِ مملکت نے تین انجینئروں جناب اقتدار علی صدیقی، ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر سخی محمد بھٹہ کو ممتاز تحقیقی سرگرمیوں پر گولڈ میڈل دیئے۔

اس سے پہلے انسٹی ٹیوشن کے صدر جناب شاہنواز خان نے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے

مختلف شعبوں میں انسٹی ٹیوشن کی کارکردگی کا جائزہ پیش کیا۔ انہوں نے قومی بہتری کے لئے حکومت کی کوششوں میں انجنیئرز کی طرف سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ جناب شاہنواز نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے حکومت کی کوششوں پر صدرِ مملکت کو خراج تحسین پیش کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

گورنر پنجاب، جنرل سوار خان،

انسٹیٹیوشن آف انجینئرز پاکستان کے صدر، جناب شاہ نواز خان صاحب،

لاہور سنٹر کے صدر، انجینئر ایوب صاحب،

مہمانانِ گرامی

اور

خواتین و حضرات !

السّلام علیکم ۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے ۲۳ ویں سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت دے کر میری عزّت افزائی کی ۔ آج آئی ای پی کے اس نمائندہ اجتماع میں ملک کے چیدہ چیدہ انجینئرز تشریف فرما ہیں ۔ ان سے تبادلۂ خیال کا یہ موقع یقیناً ایک اہم واقعہ ہے جس سے میں پورا پورا استفادہ کرنے کی کوشش کروں گا ۔

میں نے گزشتہ دو ڈھائی سالوں میں انجینئرز کی کم و بیش ان تمام تقریبات میں شرکت کی

ہے جس کی مجھے دعوت دی گئی ہے۔ اس کی وجہ میرا یہ ایمان ہے کہ ملک کی تعمیر و ترقی میں انجینئرز اہم کردار ادا کرتے ہیں جس کے لئے وہ اعلیٰ ترین سطح پر سرپرستی، رہنمائی اور امداد کے مستحق ہیں۔ یہ ادارہ جس کا آج سالانہ اجلاس ہو رہا ہے خاص طور پر قومی حیثیت رکھتا ہے اس کا ایک ثبوت شاہ نواز صاحب کا خطبۂ استقبالیہ ہے جس کا تقریباً تین چوتھائی حصہ ملکی اور بین الاقوامی صورتِ حال پر صرف کیا گیا ہے اور صرف آخری چوتھائی حصّے میں انجینئرز کی شرائطِ ملازمت، ان کی پیشہ ورانہ ترقی کے امکانات اور ذیلی دفاتر کے لئے مالی امداد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ادارے کی قومی اہمیّت کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ اس کی تاریخ خود پاکستان کی تاریخ کے ساتھ ساتھ چلتی رہی ہے۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے تھوڑے عرصے بعد یہ ادارہ بھی معرضِ وجود میں آ گیا۔ جس عظیم شخصیت نے قیامِ پاکستان کو ممکن بنایا، اس کی توجہ اور مہربانی سے یہ ادارہ بھی تشکیل پا یا اور ۱۹۷۱ء میں جب ملک اپنی تاریخ کے سب سے بڑے المیّے سے دوچار ہوا تو اس کا براہِ راست اثر اس ادارے پر بھی پڑا۔

اس قومی ادارے کی طرف سے پیش کردہ خطبۂ استقبالیہ میں کئی قومی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں سے بیشتر کا تعلق آپ کے شعبے سے ہے، میری مراد ٹیکنالوجی کے حصول، صنعتی مشینری کی فراہمی، زرعی پیداوار میں اضافہ، توانائی کے وسائل کی تلاش اور فنی اور معاشی خود کفالت سے ہے، لیکن ایک شعبہ جس کی طرف میں خاص طور پر آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ سیم اور تھور کی بیماریاں ہیں جو ہماری سونا اگلنے والی زمین کو تپ دق کی طرح کھا رہی ہیں۔ مجھے آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہماری قومی معیشت کا زیادہ تر دارو مدار زرعی معیشت پر ہے اور زرعی معیشت کی ترقی کا تصوّر صحت مند اور زرخیز زمین کے بغیر ناممکن ہے۔ بیشک ہمارے کسان اس زمین سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور حکومت بھی زراعت کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔

لیکن اگر آئندہ چند سالوں میں سیم وتھور کی بیماریوں پر قابو نہ پایا گیا تو یہ ساری کوششیں بے معنی اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں گی۔ ہمارے لہلہاتے ہوئے کھیت جھیلوں میں بدل جائیں گے اور خوراک میں خود کفالت کے خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے۔ اس لئے سب سے پہلے میں انجنیئرز کے اس عظیم اجتماع سے پرزور درخواست کروں گا کہ وہ اس بیماری کی روک تھام کی طرف خصوصی توجہ دیں اور اس سلسلے میں جلد از جلد کوئی قابلِ عمل اور مفید طریقۂ کار وضع کریں۔ میں آپ کی کوششوں کے نتائج کا منتظر رہوں گا۔

ہماری قومی ترقی کا دوسرا اہم پہلو نئی سے نئی ٹیکنالوجی کا حصول ہے۔ مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ کے اس ادارے کے پیشِ نظر جو اعلیٰ مقاصد ہیں ان میں سے ایک مقصد نئی دریافتوں، نئی ایجادوں اور نئی ٹیکنالوجی کا حصول بھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے انجنیئرز نئی سے نئی ٹیکنالوجی حاصل کرنے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں تاکہ اس میدان میں ہم دوسرے ممالک پر اپنا انحصار کم کر سکیں کیونکہ معاشی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی تمام کوششوں کا دارومدار کافی حد تک نئی معلومات اور نئی ٹیکنالوجی حاصل کرنے پر ہے۔

جدید ٹیکنالوجی کا ذکر کرتے ہوئے ذہن خود بخود ایٹمی توانائی کی طرف چلا جاتا ہے جس کے متعلق موجودہ حکومت پہلے ہی اپنا موقف اور اپنی پالیسی واضح کر چکی ہے۔ ہم ایٹمی توانائی کا حصول اپنا بنیادی حق سمجھتے ہیں کیونکہ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کو پورا کئے بغیر ہمارے لئے معاشی لحاظ سے آگے بڑھنا ناممکن ہے۔ ہمارے ہاں توانائی کے روایتی ذرائع یعنی پن بجلی، گیس اور کوئلہ قومی ضروریات کے مقابلے میں نہایت محدود ہیں۔ اندرونِ ملک پیدا ہونے والا تیل فی الحال ہماری ضروریات کا بمشکل تیرہ فی صد حصہ پورا کرتا ہے اور موجودہ پنج سالہ منصوبہ مکمل ہونے پر یعنی ۱۹۸۳ء تک یہ شرح ۳۳ فی صد تک پہنچ جانے کی توقع ہے جس

کے لئے انتھک انسانی کوششیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم درکار ہے۔ آج کل ہمیں تیل کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے ممالک پر انحصار کرنا پڑتا ہے جس پر ہم اس سال بارہ سو کروڑ روپے سے زیادہ زرمبادلہ خرچ کر رہے ہیں، اور اگر تیل برآمد کرنے والے ممالک نے حسبِ سابق تیل کی بین الاقوامی قیمتوں میں اضافہ کر دیا تو ہماری دشواریوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے ہماری یہ مخلصانہ کوشش ہے کہ ہم جلد از جلد ایٹمی توانائی حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کریں تاکہ ہم اسے پُرامن مقاصد میں لاکر اپنے ترقیاتی منصوبوں کو جاری رکھ سکیں۔ ورنہ خدشہ ہے کہ آئندہ چند سالوں کے اندر اندر توانائی کے موجودہ ذرائع ختم ہو جائیں گے اور ہمارا ملک ایک اہم معاشی مسئلے سے دوچار ہو جائے گا۔ میں اس اجتماع کے سامنے اپنی حکومت کے اس عزم کا اعادہ کرتا ہوں کہ ہم انشاء اللہ اپنا ایٹمی توانائی کا پروگرام پوری سنجیدگی اور سرعت کے ساتھ جاری رکھیں گے اور پُرامن مقاصد کے لئے ایٹمی صلاحیت حاصل کر کے دم لیں گے۔

توانائی کے موجودہ وسائل کا زیادہ تر استعمال شہروں تک محدود ہے اور ہمارے دیہات ابھی تک زمانۂ حاضر کی سہولتوں سے سراسر محروم ہیں، جب کہ قومی ترقی کا کوئی تصوّر اس وقت تک بامقصد نہیں ہو سکتا جب تک کہ دیہات میں بسنے والی ستر فی صد آبادی کو ان سہولتوں میں شریک نہ کیا جائے۔ ہمارے بیشتر دیہات میں سڑکیں، ہسپتال اور بجلی کی سہولتیں ناپید ہیں بلکہ بعض علاقوں میں تو لوگ پینے کے پانی سے بھی محروم ہیں۔ اس پسماندگی کے خلاف جہاد کرنا ہم سب کا قومی فرض ہے اور اس جہاد میں، مَیں پاکستانی انجینئرز کو ہراول دستے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ملکی ترقی کی رفتار کو بڑھانے اور اسے دیہی علاقوں تک پھیلانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں۔ مجھے اُمید ہے ہمارے انجینئرز کھلے دل سے اس چیلنج کو قبول کریں گے۔

میں نے ابھی ابھی جس پہلو کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی ہے، اس کا تعلق اس

اہم مذاکرے سے بھی ہے جو فنی اور معاشی کفالت کے موضوع پر ابھی سالانہ اجلاس کے دوران منعقد ہو رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر آپ ٹھنڈے دل اور پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کریں اور اس سلسلے میں آپ جو بھی قابلِ عمل سفارشات مرتب کریں گے، حکومت ان سے فائدہ اٹھائے گی۔

خواتین و حضرات! آپ نے اپنے سپاسنامے میں دوسری باتوں کے علاوہ نظریۂ پاکستان اور اسلامی معاشرے کا بھی ذکر کیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ہمارے انجنیئروں کی دلچسپی اپنے پیشے کے فنی پہلوؤں تک محدود نہیں بلکہ انہیں ملک کی نظریاتی منزل کا بھی شعور ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ آپ اس شعور کو اپنی عملی زندگی میں رہنما بنائیں گے کیونکہ اگر ہم اسلام کو اپنی اجتماعی اور اور انفرادی زندگی کے لئے نظریۂ حیات کے طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل اور ہمارا ہر فعل اسلام کے احکامات کے عین مطابق ہو۔ اسلام ایک مجموعۂ عبادات نہیں مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جو اس بنیادی بات پر زور دیتا ہے کہ آپ انجنیئر ہوں یا ڈاکٹر، استاد ہوں یا کسان اور کارخانہ دار ہوں یا مزدور، اپنے فرائض انجام دیتے وقت اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایات کو پیشِ نظر رکھیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جن باتوں پر بار بار زور دیا ہے ان میں "رزقِ حلال" خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ نے یونیورسٹی سے مطلوبہ ڈگری حاصل کر لی، جدید تحقیقات سے اپنی پیشہ ورانہ معلومات کو بہتر بنا لیا اور متواتر تجربے اور علم کے ذریعے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کو چمکا لیا لیکن حلال و حرام میں تمیز چھوڑ دی تو یقین جانیئے اللہ کی نگاہ میں آپ کی پیشہ ورانہ خوبیوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ میری اس حق گوئی کو برا نہ مانیئے اگر میں انجنیئرز کے اس عظیم الشان اجتماع میں عوام کا یہ تاثر آپ تک پہنچانے کی جسارت کروں کہ ہمارے ہاں جو پل بنتا ہے، بارشوں کے پہلے ریلے میں ہی بہہ جاتا ہے۔ جو سڑک تیار ہوتی ہے اس کے افتتاح اور مرمت

کا کام بیک وقت شروع ہو جاتا ہے۔ جو عمارت کھڑی ہوتی ہے اس کے استعمال میں آنے سے پہلے ہی اس میں دراڑیں پڑنی شروع ہو جاتی ہیں، گویا جو تعمیری کام نسل در نسل قائم رہنا چاہیئے، قلیل وقت میں ناقابلِ استعمال ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے ان الزامات میں سراسر مبالغہ ہو یا ان الزامات کا ذمہ دار کوئی اور شخص ہو، لیکن یہ مسئلہ اپنی جگہ اتنا اہم ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

میرا ایمان ہے کہ اچھی یا بُری شہرت کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہوتی ہے اور کوئی پیشہ خاص طور پر انجینئرز کا پیشہ قوم کی نظروں میں اس وقت تک اپنا وقار اور اعتماد برقرار نہیں رکھ سکتا جب تک یہ اپنی شہرت کو درست نہ رکھے اور اپنی شہرت کو درست رکھنے کا آسان طریقہ اپنے کردار اور اپنے اعمال کو درست رکھنا ہے۔ اس لئے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اپنے پیشہ ورانہ کاموں میں مہارت حاصل کرنے کے علاوہ سچے مسلمان کے اوصاف اپنائیں، جو کام کریں، اس میں رزقِ حلال کو پیشِ نظر رکھیں اور لوگوں کے اعتماد کو ہرگز مجروح نہ ہونے دیں۔ اس طرح ملک میں اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں یقیناً مدد ملے گی۔

میرے اس مشورے کا تعلق ایک اور نکتہ سے بھی ہے جس کا ذکر ابتدائی تقریر میں کیا گیا ہے اور وہ ہے اسلامی ممالک کے درمیان مکمل رابطہ اور اتحاد۔ سفارتی سطح پر پاکستان اسلامی اتحاد کے فروغ کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں انجینئرز بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے انجینئرز کی کثیر تعداد جو اسلامی ممالک میں کام کر رہی ہے وہ اپنا لوہا وہاں منوا چکی ہے۔ اگر یہ لوگ جو وہاں غیر سرکاری سطح پر پاکستان کی نمائندگی بھی کرتے ہیں، خلوصِ دل اور نیک نیتی سے اپنے فرائض انجام دیں تو بے شک اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں جس سے نہ صرف اسلامی ممالک میں ہمارے انجینئروں کی مانگ بڑھے گی بلکہ پاکستان اور اسلامی ممالک کے درمیان اعتماد، اتحاد اور تعاون کو بھی فروغ حاصل ہو گا۔

حاضرینِ گرامی! اب میں مختصراً ان پیشہ ورانہ نکات پر اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہوں جن

کی نشاندہی سپاسنامے میں کی گئی ہے:

۱۔ پبلک سروس کمیشن کی سفارشات کے متعلق آپ فکر مند نہ ہوں۔ اس کمیشن کے سربراہ ہماری عدلیہ کے سربراہ ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر اس بات کا علم ہے کہ انجینئرز، غیر انجینئرز کی بالادستی کو پسند نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ اختیارات خود انجینئرز کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں۔ سول سروس کمیشن کی سفارشات کا ابھی جائزہ لیا جارہا ہے اور ان پر کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ملازمتوں کے آئندہ ڈھانچوں میں کسی خاص طبقے کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی پیشے کے مفادات کو نقصان پہنچنے دیا جائے گا بلکہ تمام سروس گروپوں کے لوگوں کو ترقی اور تعیناتی کے منصفانہ مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

۲۔ کابینہ کی اقتصادی کمیٹی اور قومی اقتصادی کونسل کی انتظامی کمیٹی میں پہلے ہی انجینئرز شامل ہیں اور ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ میں نے اس سے پیشتر ایک موقع پر انجینئروں کے اسی قسم کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ انجینئرز اپنا ایک اعلیٰ سطحی چیمبر قائم کریں جو ترقیاتی منصوبوں کا جائزہ لے کر سفارشات پیش کیا کرے۔ میں نے یہ بھی تجویز کیا تھا کہ اس چیمبر میں انجینئرنگ سے متعلق مختلف شعبوں کے ماہرین شامل کئے جائیں جو مسائل کی نشاندہی اور ان کے حل تلاش کریں۔ مجھے ابھی تک اس چیمبر کی سفارشات کا انتظار ہے۔

۳۔ اس سالانہ اجلاس کے دوران خاص طور پر فنی اور معاشی کفالت کے موضوع پر مذاکرے کے نتائج جب آپ قابلِ عمل سفارشات کی شکل میں مرتب کریں تو حسب خواہش ذاتی طور پر مجھے پیش کر دیں۔ میں یقیناً آپ کے خیالات سے استفادہ کروں گا۔

۴۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے لاہور میں اپنے ہیڈ کوارٹرز کی بلڈنگ مکمل کرلی ہے اور ملک

کے مختلف حصوں میں لوکل سنٹرز کی عمارات کھڑی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انجنیئرنگ جیسے باصلاحیت اور باوسیلہ پیشے سے تعلق رکھنے والوں کے لئے فنڈز کا کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے ذرائع سے پشاور اور اسلام آباد میں ذیلی دفاتر تعمیر کرنے کے لئے ضروری رقوم فراہم کریں گے۔ میں حکومت کی طرف سے اس میں تھوڑی سی چاشنی ڈالنے کے لئے پانچ لاکھ روپے کی گرانٹ کا اعلان کرتا ہوں۔

میں ایک بار پھر جناب شاہ نواز صاحب اور آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے آج کی تقریب میں مجھے دعوت دے کر آپ تک اپنے خیالات پہنچانے کا موقع دیا۔

میں ان الفاظ کے ساتھ ۲۳ ویں سالانہ اجلاس کے رسمی افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس سالانہ اجلاس کو کامیاب فرمائے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

عالمی اسلامی تعلیمی کانفرنس سے خطاب

۱۵ مارچ ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۵ مارچ ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں اسلامی تعلیم کے موضوع پر دوسری عالمی کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اس چھ روزہ کانفرنس میں ۱۲ ملکوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اسلامی تعلیم کے موضوع پر پہلی عالمی کانفرنس ۱۹۷۷ء میں شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی، مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔

وفاقی وزیر تعلیم جناب محمد علی ہوتی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کے لئے جدید ٹیکنالوجی کے حصول کو ضروری قرار دیا اور بتایا کہ حکومتِ پاکستان نے وزارتِ تعلیم میں اسلامی تعلیم کے موضوع پر تحقیق کے لئے ایک خصوصی سیل قائم کیا ہے۔ قائدِ اعظم یونیورسٹی کے وائس چانسلر، ڈاکٹر احمد محی الدین نے اپنی تقریر میں مندوبین کا اور مہمانِ خصوصی کا شکریہ ادا کیا۔ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی کے صدر ڈاکٹر عبداللہ عمر نسیف نے بھی کانفرنس سے خطاب کیا اور اسلام کی سربلندی کے لئے پاکستان اور صدرِ پاکستان کی کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ بعد میں انہوں نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی کا نشان بھی پیش کیا۔

اسی روز صدرِ مملکت نے کانفرنس کے مندوبین کے اعزاز میں عشائیہ دیا جس میں وفاقی وزراء، مسلم ملکوں کے سفارتی نمائندوں اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام نے شرکت کی۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے

کہ اس نے قرآن مجید کی شکل میں علم کے ایک ابدی سرچشمے سے انہیں نوازا۔ صدر نے فرمایا کہ مسلمانوں کو غیر اسلامی نظریات سے نجات پا کر اسلامی نظریۂ حیات کی طرف واپس آنا چاہیئے۔ صدر نے جدید تعلیمی تصوّرات کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ تمام اسلامی ممالک کے تعلیمی نصاب میں کچھ عناصر مشترک ہونے چاہئیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ

عزت مآب شیخ احمد صلاح جمجوم صاحب،

مہمان ذی قدر ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف صاحب،

وزیرِ تعلیم محمد علی ہوتی صاحب،

جناب ڈاکٹر احمد محی الدین صاحب، وائس چانسلر قائدِاعظم یونیورسٹی،

مندوبینِ گرامی

اور

معزّز خواتین وحضرات!

السّلام علیکم۔ اہلِ پاکستان کو بجا طور پر اس بات پر فخر اور ناز ہے کہ اسلامی دنیا دینِ اسلام کی خدمت کے لئے ان کے جذبات اور امنگوں کو اچھی طرح سمجھتی ہے اور ان کے وطنِ عزیز پاکستان کو اسلامی کانفرنسوں کی میزبانی کا شرف عطا کرتی ہے۔ گزشتہ کانفرنسوں کی طرح اس تعلیمی مذاکرے کے لئے پاکستان کا انتخاب بھی ہمارے لئے باعثِ فخر اور وجہِ عزت ہے۔ میں اِس

تقریب میں تمام مندوبین کو حکومتِ پاکستان اور پاکستانی عوام کی طرف سے خوش آمدید کہتا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ وہ یہاں پوری یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ امتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو درپیش تعلیمی مسائل پر تبادلۂ خیال کرسکیں گے۔

حاضرینِ گرامی! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آج سے چودہ سو سال پہلے رونما ہونے والا انقلاب ایک ہمہ گیر انقلاب تھا۔ اس نے نہ صرف انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی اور سلطنتِ خداوندی کے لئے نئے قوانین متعیّن کئے بلکہ اس نے تعلیم کے متعلق بھی دُور رَس اصلاحات کیں۔ ان اصلاحات میں سب سے بڑی اور قابلِ ذکر اصلاح یہ ہے کہ تعلیم حاصل کرنا صرف راہبوں، کاہنوں، پجاریوں یا کسی ایک خاص طبقے کا کام نہیں بلکہ یہ ساری اُمّت کے تمام مرد و زَن پر فرض ہے۔ حصولِ تعلیم کو "فرض" قرار دے کر رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نہ صرف علم کی فضیلت واضح کر دی بلکہ اپنی اُمّت کو یہ تاکید بھی کر دی کہ علم کے بغیر تخلیقِ کائنات کے مقاصد کو حاصل کرنا ممکن نہیں ___ تعلیمی شعبے میں دوسرا انقلاب یہ تھا کہ حصولِ تعلیم کو انہوں نے "مہد سے لحد" تک یعنی پیدائش سے موت تک ایک مسلسل عمل قرار دیا۔ اس لئے ہمارے ہاں "فارغ التحصیل" جیسی اصطلاحیں سیکولر تعلیم کی پیداوار اور اسلام کے تصورِ تعلیم کے منافی ہیں کیونکہ اسلام تحصیلِ علم کو زندگی بھر کا مشن قرار دیتا ہے اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ چند سالوں کی عمر تک تعلیم لینے کے بعد انسان تعلیم سے "فارغ" ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جہاں اس اُمّت پر اور بہت سی عنایات کیں وہاں یہ فضل بھی فرمایا کہ مسلمانوں کی تعلیم کا ایک ابدی سرچشمہ بھی چھوڑا۔ ایسا سرچشمہ جس میں دین و دنیا کی تمام حکمتیں، ماضی کے عبرت ناک سبق اور مستقبل کے لئے لائحہ عمل پوری وضاحت اور فصاحت سے درج ہے۔ میری مراد "اُمّ الکتاب"، سرچشمۂ نور و ہدایت اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبیؐ پر اترنے والی آخری الہامی کتاب قرآنِ کریم سے ہے۔

کلامِ الٰہی اگرچہ نہایت بلیغ و جامع ہے لیکن قرآنِ حکیم کی کس آیت یا کس حکم سے مقصدِ الٰہی کیا ہے، اس کی عملی تفسیر ہمیں رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اعمال و اقوال میں ملتی ہے ــــ اور یہ وہ اعمال و اقوال ہیں جن میں نعوذ باللہ کسی طرح کا کوئی تضاد، اختلاف یا فرق نہیں پایا جاتا بلکہ وہ ایک دوسرے کی مکمل تفسیر ہیں ــــ گویا اُمّتِ محمدیؐ کے پاس تعلیم اور اس کی عملی تفسیر کے دو سرچشمے موجود ہیں۔ ایک قرآنِ حکیم اور دوسرا اسوۂ رسولؐ اور رشد و ہدایت کے یہ دونوں سرچشمے اسی طرح آج ہمارے سامنے ہیں جس طرح ہم سے پہلے گزرنے والوں کے پاس تھے یا ہمارے بعد آنے والوں کے پاس ہوں گے۔ لہٰذا اس تعلیمی مذاکرے کے لئے جدید نظریات New Concepts کی نشاندہی کرتے ہوئے میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ ان کا منبع یا سرچشمہ قرآنِ مجید اور سنتِ رسولؐ میں تلاش کریں۔

میں اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کی تفصیلات دہرا کر آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا کیونکہ آپ جیسے عالم اس تاریخ کی جزئیات سے مجھ سے بہتر طور پر واقف ہیں، البتہ ایک بات ضرور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی اُمّت کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے جو نسخۂ کیمیا چھوڑا ہے وہ محض تھیوری، فلسفیانہ فکر یا تجریدی نظریہ نہیں ہے جو نعوذ باللہ لفظی یا کتابی شکل میں تو بہت دلفریب لگے لیکن عملی زندگی میں ساتھ نہ دے سکے، بلکہ یہ وہ مکمل، جامع اور انتہائی قابلِ عمل نظریۂ حیات ہے جو الفاظ میں جتنا پُرشکوہ اور ولولہ انگیز لگتا ہے اتنا ہی عملی زندگی میں قابلِ رشک ثابت ہوتا ہے۔ میرے اس نقطۂ نظر کی تائید اسلام کے ان سات سو برسوں سے ہوتی ہے جب ملتِ اسلامیہ کے فرزندوں نے نہ صرف دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو آزادی کے نئے تصور سے بہرہ ور کیا بلکہ کئی علوم و فنون میں دیگر اقوامِ عالم کو رہنمائی بھی مہیا کی ــــ آپ کو یاد ہوگا کہ صدیوں پہلے جب رسل و رسائل کے ذرائع تقریباً ناپید تھے تو مسلمان علماء علم کی تلاش میں بغداد سے دمشق، قاہرہ اور قرطبہ تک،

اور شیراز اور اصفہان سے سمرقند اور بخارا تک سفر کرتے رہتے تھے اور بیشتر علوم خاص طور پر طب، ریاضی اور سائنس کے میدانوں میں مسلمان علماء کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی۔

پھر جب اللہ کی رسّی پر اللہ کے نام لیواؤں کی گرفت کمزور پڑ گئی تو ان کے زوال کا دور شروع ہو گیا۔ ہم نے قرآن کے ایک بنیادی حکم "تفکّروْ" پر عمل یعنی "سوچ بچار" کرنا چھوڑ دیا اور جب قوم سوچ بچار چھوڑ دے تو یہ علم سے محروم ہو جاتی ہے اور علم سے محروم ہونے کا مطلب یقین سے خالی اور عمل سے بے نیاز ہونا ہے۔ اس کوتاہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری اقوامِ عالم نے آہستہ آہستہ نہ صرف علم و فضل میں ہم پر سبقت حاصل کر لی بلکہ مسلمانوں پر حکمرانی بھی شروع کر دی۔ یہ اس غلامی اور محکومی کا اثر ہے کہ آج ہم اپنے اصل سرچشمے سے ہٹنے کے بعد یہ ضرورت شدّت سے محسوس کر رہے ہیں کہ ہم کس طرح گزشتہ چھ سات سو سالوں کے غیر اسلامی اثرات سے نجات پا کر اسلامی نظریۂ حیات کی طرف لوٹ سکیں۔

حاضرینِ گرامی ! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ صدیوں کی غلامی کے باوجود اس کرۂ ارضی پر بسنے والے مسلمان اسلامی طرزِ زندگی سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ گزشتہ تیس چالیس برسوں میں سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد انہوں نے جس طرف سب سے زیادہ توجہ دینی شروع کی ہے وہ اپنے روحانی، تعلیمی اور ثقافتی ورثے کی پہچان ہے۔ پاکستان بھی اس سلسلے میں حتی المقدور کوششیں کر رہا ہے اور جیسا کہ وفاقی وزیرِ تعلیم نے بتایا ہے، ہم نے اپنی نئی تعلیمی پالیسی انہی مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر تشکیل دی ہے اور اس سلسلے میں نصابی کتابوں پر نظرِ ثانی بھی کی جا رہی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ باقی ممالک بھی اپنے اپنے حالات کے مطابق مناسب اقدامات کر رہے ہوں گے۔

اسلامی ممالک میں نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے ہیں —— خاص طور پر پاکستان کے پس منظر میں —— یوں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں تعلیم یافتہ طبقہ دو واضح حصوں

ہیں تقسیم ہو چکا ہے۔ ایک جدید یا مغربی طریقۂ تعلیم کا پروردہ ہے اور دوسرا دینی مدارس کا فیض یافتہ۔ ان دونوں طبقوں میں اتنا فرق بلکہ تضاد پایا جاتا ہے کہ وہ ایک اُمّت کے افراد ہونے کی بجائے دو الگ الگ دنیاؤں کے باشندے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں کی شکل وصورت، وضع قطع، سوچ بچار اور افکار وکردار ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں اور دورِ حاضر میں جہاں مادی آسائشوں کی کشش بہت بڑھ چکی ہے عام لوگ جدید اور سیکولر تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح نہ صرف ان کی ضروریاتِ زندگی بآسانی پوری ہو جائیں گی بلکہ معاشرے میں ان کا وقار بھی بلند رہے گا۔ اس کے برعکس دینی مدارس میں تعلیم پانے والے عموماً دنیوی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں اور معاشرے میں وہ مقام نہیں پا سکتے جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہوتے ہیں۔ ان دو طبقوں کے علاوہ مسلمانوں کا تیسرا طبقہ وہ ہے جو تعلیم سے عموماً محروم رہتا ہے اور عرفِ عام میں "ناخواندہ" کہلاتا ہے۔ ہمارے ملک کی پچھتّر سے اسّی فیصد آبادی ناخواندہ ہے۔ میرے خیال میں یہی حال تیسری دنیا کے بیشتر ممالک کا ہے جو ایک عرصے تک غیر ملکی تسلّط میں رہے ہیں۔

لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے تعلیمی جہاد کا رخ دو محاذوں کی طرف ہونا چاہیئے ایک محاذ "ناخواندگی" کو دور کرنے سے متعلق ہے اور دوسرا تعلیم یافتہ لوگوں کے اندر دو طبقوں میں تضاد یا تفاوت کو دور کرنا ہے۔ ناخواندگی دور کرنے کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم بالغ آبادی کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں وہاں یہ بھی لازم ہے کہ ہم نئی نسل کو تعلیم سے محروم نہ رہنے دیں۔ مؤخر الذکر مقصد حاصل کرنے کے لئے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے اپنے ملکوں میں زیادہ سے زیادہ تعلیمی ادارے کھولیں اور انہیں ضروری سہولتوں سے آراستہ کریں۔

دو مختلف نظامِ تعلیم کی پیدا کردہ تفریق کو مٹانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم موڈرن اداروں

کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کریں اور دینی درس گاہوں کے نصاب تعلیم کو وسعت دے کر ان میں سائنس، ریاضی، طب اور دوسرے جدید علوم شامل کریں۔ میرے اس نقطۂ نظر کی بنیاد میرا یہ ایمان ہے کہ جس طرح اسلام انسانی زندگی کو مذہبی اور غیر مذہبی حصوں میں تقسیم نہیں کرتا اسی طرح اسلامی طرزِ تعلیم کو بھی سیکولر اور مذہبی خانوں میں بند نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسلامی نظریۂ تعلیم کا مقصد مکمل تعلیم یا Total Education ہے جس میں انسان کو تخلیقِ کائنات، مذہبِ اسلام کے فرمودات اور آخرت کے لئے زادِ راہ کا درس دینے کے علاوہ اسے طبیعات، کیمیات، معاشیات اور دورِ حاضر کے دیگر علوم سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں نہ ہمیں مذہب کی تعلیم پانے والوں کو علومِ جدید سے محروم رکھنا چاہیئے اور نہ علومِ جدید حاصل کرنے والوں کو مذہب سے ناآشنا رہنے دینا چاہیئے۔

مجھے اس بات پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں کہ جب ہم اپنے نظامِ تعلیم کو ان خطوط پر دوبارہ منظم کرنے کی کوشش کریں تو ہمارے پیشِ نظر اسلام اور اس کی تعلیمات ہونی چاہئیں ہمارے سامنے وہ اعلیٰ مقصد ہونا چاہیئے جس کی نشاندہی چودہ سو سال قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اور وہ مقصد یہ تھا کہ اسلام کے حلقے میں شامل ہونے والے لوگ ایک اُمت کے افراد کی حیثیت سے ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جہاں مثبت اور زندگی بخش اقدار کی حکمرانی ہو۔ جہاں غربت و افلاس، جبر و تشدد اور استحصال و استبداد کا نام نہ ہو۔ جہاں بسنے والے امن و سکون سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

خواتین و حضرات! میں نے اسلامی نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم وضع کرنے کے لئے ابھی ابھی رشد و ہدایت کے اس ابتدائی سرچشمے کی نشاندہی کی ہے جو چودہ سو سال پہلے ہمیں نصیب ہوا تھا۔ اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی طرف توجہ مبذول کرانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نظریات کا ہدف یا ٹارگٹ انسانی ذہن ہوتا ہے۔ تاریخ عالم پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف نظریات نے انسانی ذہن کو اپنی طرف متوجہ کیا، لیکن اکثر اوقات

بنت نئے نظریات نے انسان کے ذہنی، روحانی اور مادی مسائل حل کرنے کی بجائے اسے نئے مسائل سے دوچار کر دیا۔ نظریات کے اس ارتقا میں دورِ حاضر کے دوران دو معروف نظریئے کام کر رہے ہیں۔ ایک کو عموماً "سرمایہ دارانہ نظام" کہا جاتا ہے اور دوسرے کو "اشتراکیت" کا نام دیا جاتا ہے۔ ان نظریات کی باہمی آویزش اتنی شدید ہو چکی ہے کہ کبھی کبھی اس کرۂ ارض کا امن وسکون بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ میں ان نظریات میں سے کسی ایک کی حمایت یا مخالفت میں دلائل دینا نہیں چاہتا، لیکن اپنے اس عقیدے کا اظہار ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام ہی وہ واحد فلسفۂ حیات ہے جو انسان کی تمام روحانی اور مادی ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کر سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظریۂ حیات ہے جو نہ افراد کو اتنی آزادی دیتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کا استحصال کرنے لگیں اور نہ وہ انسانی صلاحیتوں کی نفی کرتا ہے کہ تخلیقِ کائنات کا مقصد ہی فوت ہو کر رہ جائے بلکہ یہ ان دو انتہائی صورتوں کے درمیان عدل اور میانہ روی کا راستہ دکھاتا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہر انسان اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق معاشی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نظامِ حیات کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کو اپنانے والوں کے پیشِ نظر اس دنیا کی جاہ وحشمت اور مال و دولت کا حصول نہیں ہوتا بلکہ ان کا پختہ ایمان ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ان کے جملہ اعمال کی ان سے باز پرس کی جائے گی اور انہیں اچھے کاموں کی جزا اور بُرے کاموں کی سزا ملے گی۔ میرے خیال میں انسان کو جواب دہی یا اکاؤنٹبلٹی Accountability کا یہ احساس راہِ راست سے بھٹکنے نہیں دیتا۔

خواتین وحضرات! اگر ہم اپنے بچوں کو ایسی تعلیم دیں کہ وہ اسلامی نظریۂ حیات کی افادیت کے پوری طرح قائل ہو جائیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ نہ صرف دوسرے نظریات کی یلغار سے محفوظ رہیں گے بلکہ دوسروں کے لئے اعلیٰ نمونہ بھی ثابت ہوں گے، لیکن اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہم باتیں کرنے کے علاوہ عملاً کہاں تک اپنی اپنی اصلاح کرتے ہیں کیونکہ بچوں کے لئے قابل

تقلید نمونہ ان کی نصابی کتب نہیں ہمارا اپنا کردار ہوتا ہے۔ اگر ہمارا کردار قرآن وسنت کے مطابق ہے اور ہمارے بچوں کا نصابِ تعلیم قرآن وسنت کے تقاضے پورے کرتا ہے تو سمجھ لیجئے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

میرے ان عمومی خیالات کو نصابی شکل دینا ماہرینِ تعلیم کا کام ہے جن کی ایک بڑی تعداد آج اس ہال میں موجود ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب مِل کر شعبۂ تعلیم کے لئے ایک ایسا لائحہ عمل تیار کریں جس کی بنیادی خصوصیات یہ ہوں:۔

۱۔ اسلامی ممالک سے ناخواندگی کی لعنت کو دور کر کے تعلیم کی روشنی زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائی جائے۔

۲۔ ہمارا اسلامی نظامِ تعلیم ایسے افراد پیدا کر سکے جن کی سوچ، جن کا قول اور جن کا عمل قرآن حکیم اور سنتِ رسولؐ کے عین مطابق ہو۔

۳۔ اس نظامِ تعلیم سے فیض یاب ہونے والے افراد نہ صرف صحیح سوچ کے مالک ہوں بلکہ انہیں سائنس اور ٹیکنالوجی جیسے علوم پر بھی عبور حاصل ہو تاکہ وہ دورِ حاضر کے جدید ترین تقاضوں کو پورا کر سکیں۔

۴۔ تمام اسلامی ممالک میں رائج نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں چند ایسی مشترکہ خصوصیات ہوں کہ انڈونیشیا سے مراکش اور ایشیا سے افریقہ تک تمام مسلمان ایک ہی اُمّت کے افراد کی حیثیت سے ابھر سکیں۔ ان کے ذہنوں پر ایک جیسی چھاپ اور ان کے کردار میں ایک جیسی اقدار کی جھلک نظر آئے۔

ہم پاکستان میں پہلے ہی اس سلسلے میں مقدور بھر کوششیں کر رہے ہیں، لیکن اس بارے میں بین الاقوامی سطح پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ پاکستان کی یہ جدوجہد درحقیقت پاکستان کی جدوجہد نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کی جدوجہد کا ایک حصّہ ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہم ایک

ایسے ہی نظام تعلیم کو اپنا کر اسلامی اُمّہ کی یک جہتی اور اتحاد کو فروغ دے سکیں گے۔

آخر میں میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے آج کی تقریب میں مدعو کر کے آپ تک اپنے خیالات پہنچانے کا موقع دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سیمینار کے نتیجے میں یقیناً ہم ان مقاصد کی طرف پیش قدمی کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جن کی میں نے ابھی ابھی نشاندہی کی ہے۔

غیر ملکی مندوبین کی سہولت کے لئے جو کچھ ہم سے ہو سکا ہم نے کیا ہے، لیکن انتظامات میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو اُمید ہے آپ درگزر فرمائیں گے۔

اسلامی اتحاد زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

چینی وفد کے اعزاز میں عشائیہ سے خطاب

۱۶ مارچ ۱۹۸۰ء

عوامی جمہوریہ چین کے ایک آٹھ رکنی فوجی وفد نے نائب وزیر دفاع مسٹر سیاؤ کی کی سربراہی میں پاکستان کا خیر سگالی دورہ کیا۔ وفد نے ۱۶ مارچ کو صدرِ مملکت سے ملاقات کی۔ اس موقع پر صدر کے مشیر برائے امورِ خارجہ، جناب آغا شاہی، سیکرٹری جنرل ڈیفنس، لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان، سیکرٹری خارجہ، مسٹر شاہنواز اور پاکستان میں متعین چینی سفیر مسٹر چو یکسن Mr. Xu Yixin بھی موجود تھے۔

اسی روز صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے چینی وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا جس میں وفاقی وزراء، اعلیٰ سول اور فوجی حکام نے شرکت کی۔

صدر نے اپنی تقریر میں دونوں ملکوں کے درمیان بہترین اور مثالی دوستانہ تعلقات کا ذکر کیا اور کہا کہ چینی وفد کے خیر سگالی دورے سے ان تعلقات کو اور زیادہ مستحکم بنانے میں مدد ملے گی۔

چینی وفد کے لیڈر نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ قومی آزادی، خود مختاری اور سلامتی کے تحفظ کے لئے پاکستانی عوام اور مسلح افواج کی جدوجہد میں چینی عوام اور چین کی مسلح افواج ہمیشہ کی طرح آئندہ بھی پاکستان کا ساتھ دیں گی۔ انہوں نے کہا کہ پاک چین دوستی اصولوں پر مبنی ہے اور تاریخی آزمائشوں پر پوری اتری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

خیر سگالی وفد کے قائد عزت مآب جناب سیاؤ کی صاحب،

چینی وفد کے دیگر معزز ارکان،

پاکستان میں چین کے سفیر،

مہمانانِ گرامی

اور

معزز حاضرینِ کرام!

السلام علیکم ۔ ہمارے لئے یہ بات بڑی خوشی اور عزت کا باعث ہے کہ عوامی جمہوریہ چین کا ایک خیر سگالی فوجی وفد چین کے نائب وزیر دفاع، عزت مآب سیاؤ کی کی قیادت میں پاکستان تشریف لایا ہے۔ میں اس وفد کے قائد اور دیگر ارکان کو پاکستانی عوام، حکومت پاکستان اور خود اپنی جانب سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ پاکستان میں ان کا قیام خوش گوار اور مفید رہے گا۔

عزت مآب جناب سیاؤ کی صاحب! ہم عوامی جمہوریۂ چین کی حکومت اور عوام کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس وفد کی قیادت کے لئے آپ جیسے دانش مند، تجربہ کار اور پاک چین دوستی کے اہم معمار کو منتخب کیا ہے۔ لانگ مارچ سے لیکر چین کی تعمیرِ نو اور ترقی میں آپ نے جو اہم کردار ادا کیا ہے، ہم اس سے پوری طرح آگاہ ہیں اور پاکستان کے لئے آپ کے نیک جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کے موجودہ دورے سے دونوں ملکوں کے درمیان باہمی تعاون کو مزید فروغ حاصل ہوگا اور پاک چین دوستی، جو پہلے ہی اقوامِ عالم میں ایک مثال بن چکی ہے، مزید مستحکم ہوگی۔

معزز حاضرین! اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ روایتی انداز میں دوستانہ خواہشات اور نیک تمناؤں کے اظہار میں شریک ہوں، عالی مرتبت چیئرمین ہواکوفنگ کی صحت اور درازئ عمر کے لئے، عالی مرتبت ہزایکسی لینسی جناب سیاؤ کی کی صحت اور خوشحالی کے لئے، دیگر معزز چینی مہمانوں کی صحت اور خوشیوں کے لئے، دونوں ملکوں کے عوام کی بہتری اور خوشحالی کے لئے اور تمام مہمانانِ گرامی جو آج یہاں حاضر ہیں، ان کی صحت اور تندرستی کے لئے، پاک چین دوستی کے روز بروز فروغ اور ترقی کے لئے۔

پاک چین دوستی زندہ باد
پاچنگ یوای وان سُوئی
پاکستان پائندہ باد

تیسری حج کانفرنس سے خطاب

۱۷ مارچ ، ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۷ مارچ ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں تیسری دو روزہ حج کانفرنس کا افتتاح کیا۔ کانفرنس میں پاکستانی علماء اور حجاجِ کرام کے علاوہ سعودی نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ کانفرنس میں آئندہ سال کے لئے حج پالیسی اور حاجیوں کو درپیش مختلف مسائل پر غور کر کے سفارشات مرتب کی گئیں۔

وفاقی وزیرِ مذہبی امور جناب محمود ہارون نے صدرِ مملکت کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا کہ صدر کی ہدایات کے مطابق حج کی سہولتوں کو بہتر بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں سعودی عرب کی حکومت کے تعاون کا انہوں نے خاص طور سے ذکر کیا اور سعودی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

دو روزہ کانفرنس میں ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے مندوبین نے عازمینِ حج کے مسائل اور ان کے حل کے لئے تجاویز پر اظہارِ خیال کیا اور انتظامات بہتر بنانے میں حکومت کی دلچسپی کی تعریف کی۔

کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے صدرِ مملکت نے فریضۂ حج کی فضیلت کا ذکر کیا اور کہا کہ حکومت عازمینِ حج کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دینا چاہتی ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں عازمینِ حج کی تنظیم، ان کے سامان کی دیکھ بھال اور حفاظت، زرِ مبادلہ کے کوٹے اور حج پر نہ جا سکنے کی صورت میں رقم کی

واپسی میں درپیش مشکلات کا خاص طور سے ذکر کیا۔ صدر نے معلّمین کے رویّے، ٹرانسپورٹ کی ناکافی سہولتوں، مہنگی اور غیر تسلی بخش رہائش اور طبی سہولتوں میں اضافے جیسے مسائل کی طرف بھی مندوبین کو توجہ دلائی۔

کانفرنس کا اختتام وفاقی وزیر مذہبی امور کی تقریر پر ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ ؐ

وزیرِ مذہبی امور، جناب محمود اے. ہارون صاحب،

حکومتِ سعودیہ کے سفیرِ محترم جناب شیخ ضمیر شہابی صاحب،

اور

حاضرینِ کرام !

السّلام علیکم ۔ حج کے متعلق انتظامات کو بہتر بنانے کے لئے یہ تیسری کانفرنس ہے جس کے افتتاحی خطاب کی مجھے سعادت نصیب ہوئی ہے. میں اس اعزاز کے لئے وزارتِ مذہبی امور کا شکر گزار ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کانفرنس کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور ہمیں حج کے انتظامات کو بہتر سے بہتر بنانے کی توفیق اور ہمّت عطا فرمائے ۔

حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے جس کا مقصد صرف مقدّس مقامات کی زیارت نہیں بلکہ حکمِ خداوندی کی تکمیل کرکے اس کی عنایات حاصل کرنا ہے.

یہ بات بڑی حوصلہ افزا اور خوش آئند ہے کہ پاکستان میں اس فریضے کی ادائیگی کے لئے تقریباً تمام مرد وزن میں دلی خواہش اور گہرا ولولہ پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اکثر نیک بندے ساری عمر اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اکٹھی کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ موقع ملنے پر فریضۂ حج ادا کر سکیں۔ البتہ یہ بات کسی حد تک تعجب خیز اور ناقابلِ فہم ہے کہ کئی باوسیلہ لوگ بھی فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے آخری عمر کا انتظار کرتے رہتے ہیں حالانکہ سچے شوق کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان یہ سعادت جلد از جلد حاصل کرے۔ مثلاً پچھلے سال جن پاکستانیوں نے حج کی سعادت حاصل کی ان میں سے تقریباً ۲۸ فی صد افراد کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی اور آدھے سے زیادہ لوگ وہ تھے جن کی عمریں چالیس اور ساٹھ برس کے درمیان تھیں۔ اگر آپ حج کے موقع پر حاجیوں کے جمِ غفیر پر نظر ڈالیں تو آپ کو اکثر بوڑھے اور ضعیف حاجی، پاکستانی نظر آئیں گے حالانکہ حج ایک عظیم روحانی تجربے کے علاوہ ایک جسمانی تجربہ بھی ہے جس سے صحیح طور پر اسی وقت لطف اندوز اور مستفید ہوا جا سکتا ہے جب جسمانی اعضا اچھی طرح کام کرتے ہوں۔

ایک خاص عمر کو پہنچنے کے بعد جب یک دم حج کا شوق پورا کرنے کے لئے لاکھوں افراد ارادۂ حج کر لیں تو یہ نہ پاکستانی حکومت کے لئے ممکن ہے اور نہ سعودی حکومت کے لئے کہ انہیں بیک وقت آرام دِہ حج کی سہولتیں مہیا کر سکیں۔ اس لئے باہمی مشورے سے ہم ہر سال حاجیوں کی ایک مقررہ تعداد دیارِ رسولؐ روانہ کرتے ہیں۔ پچھلے سال ہم نے تقریباً اکاون ہزار عازمینِ حج پاکستان سے سعودی عرب بھیجے۔ اس کے علاوہ ۲۴ ہزار کے لگ بھگ بیرونِ ملک بسنے والے پاکستانی سعادتِ حج سے فیضیاب ہوئے۔ ان پچھتّر ہزار حاجیوں کی دیکھ بھال وزارتِ مذہبی امور کے شعبۂ حج کے سپرد تھی اور مجھے خوشی ہے کہ ان حکام نے اپنے فرائض پوری دلجمعی اور جذبۂ خدمت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کی۔ اس کے باوجود بعض خامیاں دیکھنے میں آئیں جنہیں دور کرنے اور موجودہ انتظامات کو بہتر بنانے کے لئے ہم یہاں اکٹھے ہوئے

ہیں۔

اگر حاجیوں کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو شکایات کا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں پی آئی اے کے غیر معیاری کھانے سے لیکر بس میں رش کی شکایت تک شامل ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی شکایات کا تدارک ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس لئے آج کی گفتگو کے لئے میں نے جن مشکلات کا انتخاب کیا ہے ان کا تعلق آٹھ شعبوں سے ہے :-

۱۔ حاجیوں کی تنظیم اور صف بندی۔

۲۔ ان کے سامان کا نظم و نسق۔

۳۔ زرِمبادلہ کا کوٹہ اور روزمرہ کے اخراجات۔

۴۔ حج پر نہ جانے کی صورت میں جمع شدہ رقم واپس لینے میں دشواریاں۔

۵۔ معلمین کا رویہ۔

۶۔ ٹرانسپورٹ کی ناکافی سہولتیں۔

۷۔ مہنگی مگر غیر تسلی بخش رہائش۔

۸۔ طبی سہولتیں۔

سب سے پہلے حاجیوں کی تنظیم اور صف بندی کو لیجئے کیونکہ ہمارے اکثر مسائل کی جڑ یہ ہے کہ حاجی کسی ایک تنظیم یا ڈسپلن کے پابند نہیں رہتے وہ اپنی سہولت اور اپنی مرضی کے مطابق رہنا، چلنا پھرنا اور حج کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اس سال ہم ایسا نظام وضع کر رہے ہیں جس کے تحت درخواستیں جمع کراتے ہی عازمینِ حج کی گروپنگ کر دی جائے گی۔ اس طرح جو گروپنگ ترتیب دی جائے گی وہ انشاء اللہ سعودی عرب میں بھی قائم رکھی جائے گی اور ماضی کا یہ تجربہ نہیں دہرایا جائے گا کہ یہاں سے تو عازمینِ حج اپنے امیر کی قیادت میں روانہ ہوئے لیکن جدہ پہنچتے ہی نفسا نفسی کا شکار ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ نئے انتظامات کے تحت تمام عازمین

حج کو یونین کونسل، تحصیل، ضلع اور بلدیہ کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ پھر ان عازمینِ حج کو یونین کونسل، تحصیل کونسل یا کسی اور مناسب مقام پر اکٹھا کیا جائے گا تاکہ وہ اپنی پسند کے "امیر" اور "نائب امیر" چن لیں۔ ان اماموں کو وہیں ان کے فرائض سے آگاہ کیا جائے گا اور اگر کسی نے سمجھا کہ وہ یہ فرائض انجام دینے کے اہل نہیں تو عازمینِ حج کی مرضی کے مطابق اسی وقت نیا امیر منتخب کیا جائے گا۔ یہ انتظام لوکل کونسلروں اور صوبائی حکومتوں کے سپرد کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں جملہ ہدایات صوبائی حکومتوں کو دی جا رہی ہیں۔ اب صوبائی حکومت کے زیرِ اہتمام عازمینِ حج کی صف بندی، مناسکِ حج کے متعلق ان کی ٹریننگ، سامان کے متعلق ہدایات اور بیرونِ ملک طرزِ سلوک کے متعلق تربیت دی جائے گی۔

دوسرا اہم مسئلہ حاجیوں کے سامان کا ہے۔ یہ سامان دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو حاجی کے اپنے استعمال کی ضروری اشیا پر مشتمل ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو وہ ناواقفیت یا تجارتی مقاصد کے لئے ساتھ لے جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اسلام دورانِ حج تجارت کی ممانعت نہیں کرتا اور نہ ہی ہم اس پر کوئی پابندی لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں، البتہ ذاتی اور تجارتی سامان یکجا ہونے سے جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں، ہم انہیں دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ حاجی کے ہمراہ صرف وہی سامان جائے جس کی اسے خود ضرورت ہو اور جو فالتو سامان وہ تجارتی مقاصد کے لئے لے جانا چاہے، وہ علیحدہ طور پر اسی جہاز میں یا بعد میں آنے والے کسی جہاز میں جدہ پہنچا دیا جائے تاکہ سامان کی چیکنگ اور نقل و حرکت میں جو تاخیر یا دشواری ہوتی ہے اسے دور کیا جا سکے۔ یہ سامان بر وقت حاجیوں کو جدہ یا مکہ مکرمہ میں پہنچا دیا جائے گا تاکہ وہ اسے صحیح استعمال میں لا سکیں۔ اسی طرح جب وہ حج سے واپس تشریف لائیں تو اپنا ذاتی سامان اپنے ساتھ لائیں اور تجارتی سامان سمیت فالتو سامان علیحدہ بھجوائیں تاکہ ایئرپورٹ یا بندرگاہ پر انہیں پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس سلسلے میں، میں عازمینِ حج اور حاجیوں سے یہ گزارش ضرور کروں گا کہ وہ سامان کی درآمد یا برآمد میں پاکستان اور سعودی حکومت کے قوانین کو ضرور پیشِ نظر رکھیں، البتہ ان کی سہولت کیلئے میں نے اپنی وزارتِ تجارت کو ہدایت کی ہے کہ وہ حاجیوں کے سامان کی درآمد و برآمد کے لئے قوانین کو زیادہ سے زیادہ سہل بنائے تاکہ انہیں ان مشکلوں اور پیچیدگیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے جن سے عام حالات میں پیشہ ور تاجروں کو دوچار ہونا پڑتا ہے کیونکہ حاجیوں کا بنیادی مقصد تجارت نہیں بلکہ فریضۂ حج ادا کرنا ہوتا ہے۔

تیسرا مسئلہ زرِمبادلہ اور سعودی عرب میں قیام کے دوران اخراجات کا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ عام حاجیوں کو اپنے روزمرہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے بہت کم زرِمبادلہ ملتا ہے۔ اس کا ایک آسان حل یہ ہے کہ زرِمبادلہ کی مقدار بڑھا دی جائے، لیکن ملک کے مالی حالات کے پیشِ نظر ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے ہم اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اس تجویز پر غور کر رہے ہیں کہ سعودی عرب میں ہر حاجی کے قیام کی مدّت کم کر دی جائے اور پہلے کی نسبت تھوڑا سا زرِمبادلہ بڑھا دیا جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس اقدام سے اس مشکل پر قابو پایا جا سکے گا۔

اب ان مسائل کی طرف آیئے جن کو حل کرنے کے لئے حکومتِ پاکستان کے علاوہ سعودی عرب کا تعاون بھی درکار ہوتا ہے۔ ان میں سرِفہرست مسئلہ معلّمین کا انتخاب اور ان کا دائرۂ کار ہے کیونکہ ان کی کارکردگی سے حاجیوں کی سہولت کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ معلّمین کے متعلق حاجیوں کی شکایات سے حکومتِ پاکستان اور سعودی حکومت دونوں اچھی طرح آگاہ ہیں اور وہ ان شکایات کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

اس سلسلے میں البتہ ایک وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ اگرچہ معلّمین کا انتخاب حکومت کرتی ہے اور عازمینِ حج سے ان کی پسند اور رضامندی لینے کے بعد ان کا تعیّن کرتی ہے، لیکن سعودی عرب پہنچ کر عموماً حاجی نئے معلّم چن کر یہ سارا نظام درہم برہم کر دیتے ہیں جس سے لازمی طور پر دقتیں

پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً پچھلے سال حکومت نے بیالیس معلّموں کی فہرست عازمینِ حج کو حج پر روانگی سے پہلے ان کے امیروں کی معرفت روانہ کی تھی اور امیروں کی پسند کے مطابق معلّمین مقرر کئے گئے تھے۔ ان میں سے بیشتر معلّمین نے اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھا اور حتی المقدور انہیں احسن طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کی۔

معلّمین کے بارے میں زیادہ تر مشکلات کا تعلق ان معلّموں سے ہے جن کو حاجیوں نے سعودی عرب پہنچ کر اپنی مرضی کے مطابق اور حکومت کی رضامندی کے بغیر مقرر کیا۔ ایسے معلّمین کی تعداد ۱۱۳ تھی جن میں سے کسی کے پاس ایک حاجی تھا اور کسی کے پاس ایک سو۔ ان معلّموں کے نہ تو کوئی دفاتر تھے اور نہ ٹیلی فون نمبر، جن کے ذریعے ان سے رابطہ قائم رکھا جا سکتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جو حاجی ان معلّمین کے پاس چلے گئے وہ انہی کے رحم و کرم پر رہ گئے۔ لہٰذا حاجیوں سے میری گزارش ہے کہ وہ سعودی عرب پہنچ کر معلّمین کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اندرونِ ملک ان کو معلّمین کی جو فہرست مہیا کی جائے اس میں سے معلّمین کا انتخاب کریں۔ انشاء اللہ انہیں تکلیف نہیں ہوگی۔ اس سال ہم ہر عازمِ حج کو درخواست کے ہمراہ اچھے معلّمین کی ایک فہرست روانہ کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق معلّم منتخب کر سکے ۔ اور جس معلّم کو وہ منتخب کرے پھر خدارا اسی پر قائم رہے اور سعودی عرب پہنچ کر کسی ایجنٹ کے کہنے پر یا اپنی مرضی سے دوسرے معلّم کے پاس نہ جائے ورنہ تمام انتظام میں گڑبڑ ہو جائے گی۔ ایجنٹوں کی حوصلہ شکنی کے لئے بھی مناسب اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

معلّمین کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے ہم اس سال یہ طریقہ بھی اختیار کر رہے ہیں کہ معلّمین کی خدمات کا معاوضہ قبل از وقت ادا نہ کیا جائے کیونکہ عام طور پر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ معلّم کو رقم مل جانے کے بعد اس کا رویّہ پہلے جیسا نہیں رہتا۔ اس لئے ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم اس کی فیس اس کی خدمات کے بعد ادا کریں۔ گویا نئے طریقے کے مطابق ہر حاجی کے پاسپورٹ میں مخصوص رقم

کی ایک چٹ لگائی جائے گی جو وہ معلّم کو صرف اسی وقت دے گا جب رہائش، ٹرانسپورٹ یا کوئی اور سہولت اسے مہیا کی جائے گی۔ اسی طرح کی ایک تجویز پر سعودی حکومت بھی غور کر رہی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ ان اقدامات سے معلّمین سے متعلق بہت سی شکایات دور ہو جائیں گی۔ حاجیوں کو معلّمین سے کیا توقعات رکھنی اور کیا نہیں رکھنی چاہئیں، اس کے بارے میں بھی اس سال تمام عازمینِ حج کو ضروری معلومات فراہم کی جائیں گی۔

مکہ مکرّمہ میں رہائش کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے۔ عام حجّاج کو اس بارے میں جو شکایات ہیں، حکومت کو ان کا پورا احساس ہے۔ ان شکایات کو دور کرنے کے لئے حکومت کے پاس دو تجاویز آئی تھیں۔ ایک یہ کہ حاجیوں کے روانہ ہونے سے قبل وزارتِ مذہبی امور کا شعبۂ حج مکۂ مکرّمہ میں تمام حاجیوں کے لئے مطلوبہ مکانات کرائے پر حاصل کر لے اور حاجیوں کی روانگی سے پہلے ہر حاجی کو اس کی رہائش گاہ سے آگاہ کر دے۔ اس تجویز پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اس سے مزید شکایات پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ کسی حاجی کو یہ شکایت ہوگی کہ اس کی رہائش اس کی پسند اور ضرورت کے مطابق نہیں ہے اور کسی کو یہ گلہ ہوگا کہ اس کی رہائش گاہ خانۂ کعبہ سے دور ہے۔ دوسری تجویز جس کو ہم اپنانے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ ہے کہ حج پر روانہ ہونے سے پہلے جب ہم عازمینِ حج کی صف بندی کریں تو ان کے گروپ لیڈر بھی مقرر کریں اور یہ گروپ لیڈر عازمینِ حج کی روانگی سے چند روز پہلے سعودی عرب چلے جائیں اور وہ اپنے اپنے گروپ کی ضروریات اور پسند کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ان کی رہائش کا انتظام کریں۔ اس سلسلے میں شعبۂ حج کے متعلقہ حکام ان گروپ لیڈروں سے پورا پورا تعاون کریں گے۔

پاکستان سے سعودی عرب پہنچنے اور سعودی عرب سے واپس آنے کے لئے ٹرانسپورٹ کے انتظامات بالعموم تسلی بخش پائے گئے ہیں۔ ان میں جہاں جہاں ترمیم یا اصلاح کی ضرورت ہے اس پر ہم توجہ دے رہے ہیں۔ البتہ سعودی عرب پہنچنے کے بعد جدّہ سے مکّہ، مکّہ سے منیٰ،

منیٰ سے عرفات اور پھر عرفات سے واپس مکہ جانے میں خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان دشواریوں کو حل کرنے میں سعودی حکومت بہت دلچسپی لے رہی ہے۔ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ جب دنیا بھر کے تقریباً تیس لاکھ حاجی ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر اکٹھے ہو جائیں تو انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا کیا بندوبست کیا جائے۔ مسئلہ صرف بسوں یا گاڑیوں کی تعداد کا نہیں، وہاں کی سڑکوں اور دستیاب جگہ کا بھی ہے۔

جہاں تک پاکستانی حاجیوں کا تعلق ہے، ان کی دقّت یہ بھی ہے کہ وہ ٹرانسپورٹ کے لئے معلّم کو جو سو ریال فی حاجی کے حساب سے ادا کرتے ہیں، وہ سعودی عرب کے کرایوں کی شرح کے مطابق درحقیقت آدھا کرایہ ہوتا ہے۔ بعض ممالک اس سے دگنا کرایہ ادا کر کے نسبتاً بہتر سہولتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ اگر پاکستانی حجاج بھی ایک سو کی بجائے دو سو ریال دینے پر تیار ہو جائیں تو ان کو بھی ٹرانسپورٹ کی بہتر سہولتیں مہیا ہو سکتی ہیں۔ وہاں ٹرانسپورٹ کا مسئلہ حل کرنے پر سعودی حکومت کئی تجاویز پر غور کر رہی ہے۔ البتہ ایک اقدام ہم یہ کر رہے ہیں کہ کسی حاجی کو سو ریال جمع کرانے کے باوجود ٹرانسپورٹ کی سہولت نہ ملے تو اسے اس کی جمع شدہ رقم فوراً واپس مل جائے گی۔

رقم کی واپسی کا ایک اور مسئلہ ان عازمینِ حج کا ہے جو درخواستیں دینے اور پیسہ جمع کرانے کے بعد کسی وجہ سے حج پر روانہ نہیں ہو سکتے۔ انہیں جمع شدہ رقم واپس لینے میں خاصی دیر لگتی ہے۔ میں وزارتِ مذہبی امور اور متعلقہ محکموں کو ہدایت کروں گا کہ وہ ایسی رقوم جلد از جلد واپس کرنے کا تسلی بخش انتظام کریں۔

طبی سہولتوں کو بہتر بنانے اور مناسب مقدار میں دوائیاں مہیا کرنے کے لئے بھی ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ فی الحال حکومت اس پر سوا تین لاکھ روپے خرچ کر رہی ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ اگلے سال کے لئے یہ رقم دگنی کر دی جائے۔

یہ تھیں موٹی موٹی شکایات اور ان کے متعلق حکومت کے زیرِ غور اقدامات۔ مجھے اُمید ہے

کہ اس کانفرنس میں ان تجاویز اور باقی متعلقہ امور کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا اور ایسی سفارشات مرتب کی جائیں گی جن کو اپنا کر حج کے موجودہ انتظامات کو اور بہتر بنایا جا سکے۔

آخر میں ایک اور نکتہ آپ کی توجہ کے لئے پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ماضی میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر سال لاکھوں آدمی حج کے لئے درخواستیں دیتے ہیں اور ان میں سے صرف چالیس پچاس ہزار خوش قسمت حج کی سعادت پانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لاکھوں آدمی کئی ہفتوں کے انتظار کے بعد بالآخر مایوس ہو جاتے ہیں اور ان کی قیمتی رقم بھی حکومت کے پاس کئی مہینے جمع رہتی ہے۔ اس دقّت کو دور کرنے کے لئے ایک ایسا نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے جس کے تحت عازمین حج کو موجودہ انتظار اور مایوسی کے مراحل سے نہ گزرنا پڑے۔ اس سلسلے میں حج فاؤنڈیشن کا قیام زیرِ غور ہے۔ اس فاؤنڈیشن کی کئی سطحیں ہوں گی جو وفاقی حکومت سے یونین کونسلوں تک پھیلی ہوں گی اور ہر سطح پر عوام کے نمائندے اور سرکاری حکام اس میں شامل ہوں گے۔ اس اسکیم کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ حج کا خواہش مند ہر فرد خواہ وہ عورت ہو یا مرد، گھر بیٹھے حج کرنے کے لئے اپنا ایک منصوبہ تیار کرے کہ میں نے کون سے سال حج کرنا ہے۔ اس سال، اگلے سال یا پانچ سال کے بعد۔ جس سال وہ حج کرنے کا فیصلہ کرے گا اسی کے مطابق حج کرانا حکومت کی ذمہ داری ہو گی۔ اس اسکیم پر عمل کرنے سے ہر سال حاجیوں کو یکمشت رقم جمع نہیں کرانی پڑے گی بلکہ وہ قسطوں میں یہ رقم ادا کر سکیں گے مثلاً اگر کسی شخص نے پانچ سال بعد حج کرنا ہے تو وہ پہلے سال کل اخراجات کا صرف پانچواں حصّہ جمع کرائے گا اور دوسرے سال اسی طرح دوسری قسط جمع کرائے گا اور جب پانچ سالوں میں وہ حج کے اخراجات کی کل رقم جمع کرا دے گا تو اس سال حکومت اس کو حج پر بھیجنے کے تمام انتظامات کرے گی۔ اس سے ملتا جلتا نظام ملائیشیا اور بعض دوسرے اسلامی ممالک میں رائج ہے۔ ہم بھی اس اسکیم کا جائزہ لے رہے ہیں۔ میں آپ کو دعوت دوں گا کہ آپ اس اسکیم کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیں اور حکومت کو مشورہ دیں کہ آیا یہ اسکیم اگلے سال سے

بہتر حج پالیسی کی بنیاد بن سکتی ہے۔

میں ان کلمات کے ساتھ تیسری حج کانفرنس کے رسمی افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کانفرنس کو کامیاب فرمائے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

یومِ پاکستان کی پریڈ سے خطاب

۲۳ مارچ، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت، جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۳ مارچ کو راولپنڈی میں یومِ پاکستان کے موقع پر مسلح افواج کی پریڈ سے خطاب کیا۔ پریڈ میں بری، بحری اور فضائی افواج کے چاق و چوبند دستوں کے علاوہ سول آرمڈ فورسز، نیشنل گارڈز، سول ڈیفنس، بوائے اسکاؤٹس اور گرل گائیڈز نے بھی حصہ لیا۔ تینوں مسلح افواج کے سربراہ اور سینئر افسران کے علاوہ وفاقی وزراء، سفارتی نمائندوں اور عوام کی بڑی تعداد نے تقریب میں شرکت کی۔

تیل کی بچت کی خاطر اس سال پریڈ کے موقع پر پاک فضائیہ اور آرمی ایوی ایشن کے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کی روایتی فلائی پاسٹ نہیں ہوئی اور بری فوج کے ٹینکوں اور مشینی دستوں نے بھی پریڈ میں حصہ نہیں لیا۔ مختلف شعبوں میں ملک کی ترقی کے اظہار کے لئے تقریباً پچیس فلوٹس نے پریڈ میں شرکت کی۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں پریڈ کی تعریف کی اور اس کے انتظامات کو سراہا۔ انہوں نے قرار دادِ پاکستان کی منظوری سے قیامِ پاکستان تک اور قیامِ پاکستان کے بعد سے آج تک تعمیرِ پاکستان کی جدوجہد کا ذکر کیا اور کہا کہ ہم نے پاکستان اس لئے حاصل کیا تھا کہ یہاں اسلامی نظام نافذ ہوگا۔ صدر نے کہا کہ اپنے نظریاتی نصب العین کو حاصل کرنے میں جو کوتاہی ہوئی ہے قوم کو اس کا بھرپور احساس ہے، اس لئے موجودہ حکومت اس کوتاہی کی تلافی کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر پوری تندہی اور خلوص سے نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے کام کر رہی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

میرے بہادر سپاہیو اور عزیز ہم وطنو!

السلام علیکم۔ آج یومِ پاکستان کے مبارک موقع پر یہ شاندار پریڈ دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوئی ہے۔ فوجی دستے اپنے روایتی انداز میں نہایت خوش پوش اور چاق و چوبند ہیں اور ان کے سویلین ساتھی اعلیٰ قومی جذبے سے سرشار ہیں۔ میں اعلیٰ کارکردگی پر پریڈ کمانڈر اور دوسرے تمام لوگوں کو مبارک باد دیتا ہوں جنہوں نے اس پریڈ کو کامیاب بنانے میں حصّہ لیا ہے۔ انہوں نے اس کی تیاری میں جس لگن اور محنت سے کام لیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔

اس سال آپ اس پریڈ کی دو خصوصیات نوٹ کریں گے۔ ایک یہ کہ اس میں طیارے، ٹینک اور دوسرے مشینی دستے شرکت نہیں کر رہے اور دوسری یہ کہ اس میں پہلی مرتبہ دیگر قومی شعبوں کی بھرپور نمائندگی ہو رہی ہے۔ پہلی تبدیلی کی وجہ قومی سرمائے اور وسائل میں بچت کرنا ہے۔ ماضی میں ٹینک، توپیں اور فوجی گاڑیاں طویل مسافتیں طے کر کے مختلف چھاؤنیوں سے راولپنڈی آتی تھیں اور کئی دنوں کی ریہرسل کے بعد پریڈ میں شرکت کرتی تھیں۔ یہی حال فضائیہ کے طیاروں

اور آرمی ایوی ایشن کے جہازوں اور ہیلی کاپٹروں کا تھا۔ ان کی مسافت، ریہرسل اور پریڈ میں شرکت پر پٹرول کی بھاری مقدار خرچ ہوتی تھی۔ انہیں اس سال پریڈ میں شامل نہ کرنے سے زرمبادلہ کی خاصی بچت کی گئی ہے۔ دوسری تبدیلی کے پیچھے جو جذبہ کارفرما ہے اس کا احساس آج سے کئی سال پہلے ہو جانا چاہیئے تھا اور وہ یہ کہ یوم پاکستان کی تقریب نہ تو محض ایک فوجی تقریب ہے اور نہ ہی اِسے صرف مسلح افواج تک محدود رہنا چاہیئے، بلکہ اس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شرکت کرنی چاہیئے۔ آپ دیکھیں گے کہ آج اس پریڈ میں مسلح افواج کے ساتھ ساتھ بوائے سکاؤٹس، گرلز گائیڈ اور سول ڈیفنس کے دستے بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں مثلاً صنعت، زراعت اور تجارت وغیرہ کی بھی بھرپور نمائندگی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ان اقدامات سے پریڈ کا ایک نیا رنگ اور ایک نیا آہنگ اُبھرا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ تبدیلیاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عوام میں مقبولیت حاصل کر سکیں گی اور اس طرح ہم اپنے مالی وسائل میں بچت کرنے کے علاوہ اس تقریب کو زیادہ نمائندہ اور قومی امنگوں کے شایانِ شان بھی بنا سکیں گے۔

آج سے پورے چالیس سال پہلے جب ہم نے اپنی منزل کا تعین کیا تھا اور اس کے لئے رختِ سفر باندھا تھا تو ہمارا سہارا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور اپنی صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد تھا۔ انہی دو اوصاف کے ذریعے ہم نے کس طرح غلامی سے نجات پا کر آزادی کی نعمت حاصل کی، یہ ایک بڑی ایمان افروز اور جرأت افزا داستان ہے جو ایک کھلی کتاب کی طرح ہم سب کے سامنے ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ابھی وہ نسل بھی زندہ ہے جس نے یا خود اس جدوجہد میں حصّہ لیا یا وہ اس کی چشم دید گواہ ہے۔ لہٰذا میں یہاں اس عظیم جدوجہد کی داستان دہرانا نہیں چاہتا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کم ہی ملے گی۔ البتہ اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ نیت سچی، عزم راسخ اور مقصد واضح ہو تو کڑی سے کڑی منزل بھی آسان ہو جاتی ہے اور رکاوٹیں خود بخود راستہ دے دیتی ہیں۔ یہ خدائے بزرگ و برتر کا ہم پر احسانِ عظیم تھا کہ اس جدوجہد میں قائد اعظم کی فراست،

دیانت، محنت اور اخلاص ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ پوری قوم ان کی زیرِ قیادت ایک پرچم تلے جمع ہو گئی تھی اور یوں اس متحد اور باعزم قوم نے صرف سات سال کے قلیل عرصے میں اپنی منزل حاصل کر لی تھی۔ اس قوم میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب بھی یہ اوصاف موجود ہیں اور جب کبھی ضرورت پڑی تو مجھے پورا یقین ہے کہ یہ اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے بھی اس بے جگری اور جوانمردی کا مظاہرہ کرے گی جس سے اس نے تحریکِ پاکستان میں کام لیا تھا۔

یہ الگ خطۂ ارض ہم نے اس لئے حاصل کیا تھا کہ ہم یہاں اپنی زندگی اسلامی اصولوں اور قدروں کے مطابق ڈھال سکیں۔ ہم نے اس سرزمین کو اس لئے اپنا وطن بنایا تھا کہ یہاں احکامِ خداوندی کا بول بالا ہو، یہاں بسنے والوں کے لئے اس کے حبیبِ پاکؐ کی سنت مشعلِ راہ ہو گویا ہمارا انفرادی اور اجتماعی کردار اس شریعت کے تابع ہو جو خدائے بزرگ و برتر نے اپنے آخری پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بنی نوع انسان تک پہنچائی ہے۔ ملک کے اس بنیادی فلسفۂ حیات میں کسی دوسرے نظریئے کی گنجائش ہے اور نہ جواز۔

اپنا نظریاتی نصب العین حاصل کرنے میں ماضی میں ہم سے جو غفلتیں ہوئی ہیں قوم کو ان کا بھرپور احساس ہو چکا ہے اور اب وہ جلد از جلد اس کی تلافی کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں جو فرائض حکومت کے ذمے ہیں وہ انہیں بجا لانے میں بڑی تندہی اور خلوصِ دل سے کام کر رہی ہے۔ اس بارے میں کچھ فرائض ایک شہری اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے پاکستانی عوام پر بھی عائد ہوتے ہیں جو مجھے امید ہے آپ پورا کرنے پر بھرپور توجہ دیں گے۔ اور یوں حکومت کی کوششوں اور عوام کے تعاون سے ہم وہ منزل جلد پا لیں گے جس کا تعین چالیس سال قبل کیا گیا تھا۔

افواجِ پاکستان کے غیور سپاہیو!

آپ نے ہر آڑے وقت میں ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی پاسبانی

کی ہے۔ ہر آزمائش اور ہر امتحان میں قوم کی نگاہیں ہمیشہ آپ کی طرف اٹھی ہیں اور آپ نے اسے کبھی مایوس نہیں کیا ہے۔ آج کل ہمارے گرد و پیش جو حالات رونما ہو رہے ہیں، ان سے آپ کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ ان ذمہ داریوں کو نبھانے میں اعلیٰ روایات کو قائم رکھیں گے۔ میری مراد ہماری مغربی سرحدوں پر رونما ہونے والی تبدیلیوں سے ہے جن سے ہم غافل یا بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

افغانستان کی صورتِ حال کا پاکستان پر ایک براہِ راست اثر یہ پڑا ہے کہ وہاں کے تقریباً ساڑھے چھ لاکھ غیور اور بہادر باشندے پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکے ہیں اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے وہ اپنا گھر بار چھوڑنے پر اس لئے مجبور ہوتے ہیں کہ وہ اپنا دین اور اپنا طرزِ زندگی ترک کرنا نہیں چاہتے۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح افغان عوام نے ماضی میں اپنی آزادی اور خود مختاری کا تحفظ کیا ہے اور کبھی کسی غیر ملکی طاقت کے سامنے سرنگوں نہیں کیا اسی طرح اب بھی وہ اپنے قومی وقار اور ملکی آزادی کا تحفظ کرتے رہیں گے۔

دین کی راہ میں گھر سے بے گھر ہونے والوں کو پناہ دینا ہماری دینی روایت کا حصہ ہے اس لئے ہم اپنے محدود وسائل کے باوجود، محض انسانی ہمدردی اور اسلامی رشتے کی وجہ سے ان کو بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہی ہمیں تعلیم ہے، انصارِ مدینہ کا یہی ہمیں سبق ہے اور یہی ہماری اسلامی روایت ہے۔ ہم انشاء اللہ اس روایت پر کاربند رہیں گے۔ انسانی ہمدردی کی ان کوششوں میں بعض ملکی اور غیر ملکی افراد اور بین الاقوامی اداروں نے ہمارا ہاتھ بٹانا شروع کیا ہے جس کے لئے ہم تہہ دل سے ان کے شکر گزار ہیں۔

محبانِ وطن!

دنیا کے حالات سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیئے اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بیرونی ممالک تبھی

کسی کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے ہیں جب وہاں اتحاد و یک جہتی کی بجائے انتشار اور خلفشار ہو۔ جب وہاں تحفظِ آزادی کے احساس کی بجائے مایوسی اور احساسِ کمتری ہو اور جب وہاں بسنے والے ملک و قوم کی بہبود کی بجائے ذاتی ترقی اور شخصی عروج کے خواب دیکھنے لگیں۔ دوسرے لفظوں میں اندرونی انتشار اور کمزوری وسعت پسند ممالک کو مداخلت یا جارحیّت کی دعوت دیتی ہے اور اس کے برعکس جہاں قوم ہم خیال ہو، اس کی صفوں میں اتحاد ہو یعنی اندرونی استحکام اور یک جہتی ہو وہاں حریص سے حریص دشمن بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

ملک کے مختلف حصوں میں کئی لوگوں سے ملنے کے بعد مجھے یہ ایمان افروز تاثر ملا ہے کہ پوری قوم تحفظِ آزادی کے ناقابلِ شکست جذبے سے سرشار ہے۔ وہ اس عظیم مقصد کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہے اور ہر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا پورا عزم رکھتی ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ ملکی دفاع کے لئے جذبے کے ساتھ ساتھ فوجی ساز و سامان کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے کیونکہ مؤثر دفاع محض جذبے سے ممکن نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے مادی سامان کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن کیا دنیا میں ایسی مثالیں موجود نہیں ہیں کہ بہتر جذبے سے لیس قوم نے نسبتاً بہتر وسائل رکھنے والی قوم کو شکست دے دی ہو؟ کیا تاریخِ عالم اس بات کی گواہ نہیں کہ جو قومیں اپنی عزت و ناموس کے لئے کٹ مرنے پر کمربستہ ہوتی ہیں کوئی ان کا بال بیکا نہیں کر سکتا؟ اور کیا خود تاریخِ اسلام ایسے ایمان افروز واقعات سے لبریز نہیں جب مٹھی بھر فرزندانِ توحید نے بڑی بڑی قوّت کو زیر کر دکھایا؟

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج ملک کی سرحدیں قابلِ اعتماد محافظوں کے ہاتھ میں ہیں انکی نگاہیں سرحدوں پر لگی ہیں اور وہ اپنے اہم فرائض سے ایک لمحے کیلئے بھی غافل نہیں ہیں۔ وہ انشاءاللہ قوم کو کسی صورت میں بھی مایوس نہیں کریں گے۔

میرے عزیز ہموطنو! آخر میں مَیں آپ کی خدمت میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج کا قومی دن ہمیں اپنی قومی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے۔ آج کا دن ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ہم اپنے قومی مقاصد تبھی حاصل کر سکتے ہیں جب ہم اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر قومی نقطۂ نظر اپنائیں اور قومی رویّہ اختیار کریں۔ جب پشاور سے کراچی، چترال سے کوئٹہ اور گلگت سے مکران تک اس وسیع اور خوب صورت ملک میں بسنے والے ساڑھے سات کروڑ عوام اپنے سامنے ایک اور صرف ایک عزم رکھیں یعنی زمانۂ امن میں ملک و قوم کی خوشحالی کے لئے کام کرنا اور آڑے وقت میں اس کی آزادی و سالمیت کے لئے سینہ سپر ہو جانا۔ اس عزم کو سامنے رکھتے ہوئے آیئے آج اس تاریخی موقع پر یہ عہد کریں کہ جس طرح چالیس سال پہلے ہم نے یک جان اور یک قالب ہو کر قیامِ پاکستان کے بظاہر ناممکن تصور کو ممکن بنا دیا تھا، اسی طرح اسے اب مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ ہم اپنی صفوں میں مکمل اتحاد اور اپنے قلب و نظر کو صحیح سوچ اور صحیح جذبے سے سرشار رکھیں گے اور اسلامی عقائد اور اسلامی اقدار پر عمل پیرا ہو کر اس عظیم مقصد کو پورا کر دکھائیں گے جس کے لئے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کوششوں میں کامیاب کرے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

بچوں کی صحت سے متعلق کانفرنس اور سمپوزیم سے خطاب

۲۴ مارچ، ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۴ مارچ کو بچوں کی صحت کے متعلق تین روزہ کانفرنس اور بین الاقوامی سمپوزیم کا افتتاح کیا۔ پاکستان پیڈیاٹرک ایسوسی ایشن کے زیر انتظام اس کانفرنس اور سمپوزیم میں پاکستان اور بیرونی ممالک سے تقریباً ڈھائی سو مندوبین نے شرکت کی۔ صدر نے بچوں کے علاج معالجے اور امراض کے دو ممتاز ماہرین ڈاکٹر حامد علی خان اور پروفیسر ایم۔ کے واسطی کو صدارتی تمغے بھی دیئے۔

اس سے پہلے پیڈیاٹرک ایسوسی ایشن کے صدر پروفیسر اشفاق احمد نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور بچوں کو امراض سے بچانے اور ان کے علاج معالجے کی سہولتوں میں اضافے کی طرف توجہ دلائی۔ وفاقی سیکرٹری ہیلتھ ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل سی۔ کے۔ حسن نے اپنی تقریر میں بچوں کی صحت کے مسائل کی شدت اور سنگینی کا اعتراف کرتے ہوئے ان اقدامات کا تفصیل سے ذکر کیا جو حکومت بچوں کو بیماریوں سے بچانے اور ان کے علاج معالجے کی سہولتوں میں اضافے کے لئے کر رہی ہے۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں بچوں کی صحت کے مسائل حل کرنے کے لئے کئی اقدامات کا اعلان کیا۔ انہوں نے بچوں کی صحت کو ملک کے مستقبل کے لئے انتہائی اہم قرار دیا اور کہا کہ حکومت اسلام آباد میں ایک میڈیکل کمپلیکس تعمیر کر رہی ہے جس میں دو سو بستروں کا ہسپتال بچوں کے لئے مخصوص ہوگا۔ صدر نے یہ بھی کہا کہ میڈیکل تعلیم میں پیڈیاٹرکس کو ایک باقاعدہ مضمون کے طور پر شامل کیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العٰلمین والصلوٰۃُ والسلامُ علیٰ خاتمِ النبیین ﷺ

وفاقی سیکرٹری صحت، جنرل سی۔ کے۔ حسن صاحب،

ڈاکٹر مشتاق احمد صاحب،

ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب،

اور

خواتین وحضرات!

السّلام علیکم۔ دو سال پہلے مجھے پشاور میں آپ کی چوتھی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں پہلی مرتبہ شرکت کرنے کا موقع ملا تھا۔ آج میرے لئے یہ بات دلی خوشی کا باعث ہے کہ مجھے ایک مرتبہ پھر آپ کی کانفرنس میں شریک ہونے اور اس کا افتتاح کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں اس عزت افزائی کے لئے آپ کا شکرگزار ہوں کیوں کہ آپ ایک ایسے موضوع پر سوچ بچار کرنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں جو میرے دل کے بہت قریب ہے۔

یہ موضوع "بچوں" کی صحت اور بہبود سے تعلق رکھتا ہے جو ہمارا بنیادی قومی مسئلہ ہے۔

آج کا بچہ کل کا بالغ شہری اور آنے والے "کل" کی "صبح" ہے۔ بچوں کی صحت پر سوچ بچار کرنا اور ان کی فلاح و بہبود پر سرمایہ لگانا درحقیقت قوم کے مستقبل پر سرمایہ لگانا ہے کیوں کہ کمزور اور بیمار بچے ایک مضبوط اور خوشحال قوم کی ضمانت نہیں دے سکتے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ کسی قوم کے مستقبل یا حال کا صحیح اندازہ لگانا ہو تو اس کے بچوں پر نگاہ ڈالئے۔ خوشحال اور صحت مند بچے قوم کی خوشحالی کی نشاندہی کرتے ہیں اور بیمار اور کمزور بچے قوم کی بدحالی کا پتہ دیتے ہیں۔

عالمی سطح پر اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر ستمبر ۱۹۷۸ء میں ایک یادگار عالمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں ۱۵۰ ملکوں کے نمائندے، جن کا تعلق صحت، معاشیات، منصوبہ بندی اور دیگر شعبوں سے تھا، شریک ہوئے تھے۔ اس کانفرنس میں جہاں بنیادی سطح سے لے کر قومی سطح تک جامع منصوبہ بندی کی ضرورت پر زور دیا گیا وہاں ۱۹۷۹ء کو بچوں کے عالمی سال کے طور پر منانے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان میں بچوں کا یہ سال انتہائی گرمجوشی اور انہماک سے منایا گیا اور سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر ایسی کئی تقریبات کا اہتمام کیا گیا جن میں بچوں کے سپیشلسٹ ڈاکٹروں، سماجی کارکنوں اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والوں نے ایک دوسرے کے خیالات سے استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ بچوں کے بارے میں قوانین کا جائزہ لیا گیا۔ معذور بچوں کی بہبود کے لئے ورکشاپ منعقد کئے گئے اور پھر قومی پیمانے پر ایک عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا گیا جس کا میں نے خود افتتاح کیا تھا۔ ان ورکشاپوں اور کانفرنسوں کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا جو نتیجہ نکلنا چاہیئے تھا وہ ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ ان کانفرنسوں کی سفارشات کو مرکزی وزارتِ صحت نے جس ایکشن پلان کی شکل دی تھی اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے اور انشاءاللہ اس کے خاطرخواہ نتائج سامنے آنا شروع ہو جائیں گے۔

پاکستان کے حوالے سے بچوں کے مسئلہ صحت کا اندازہ ان اعداد و شمار سے بخوبی لگایا جا

سکتا ہے جو پاکستان پیڈیاٹرک ایسوسی ایشن Pakistan Paediatric Association کے صدر اور وفاقی وزارتِ صحت کے سیکرٹری صاحب نے اپنی تقریروں میں بیان کئے ہیں۔ یہ دل اور ذہن کو جھنجھوڑ دینے والے اعداد و شمار ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جن ماہرین نے اس مسئلے کی نشاندہی میں اتنی تحقیق کی ہے، وہ اُسے حل کرنے میں بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ حکومت اس معاملے میں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے گی۔

مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی گزشتہ کانفرنس میں جن اقدامات کی سفارش کی گئی ہے ان کو عملی جامہ پہنانے میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے اور وزارتِ صحت وسماجی بہبود اس سلسلے میں چند اہم منصوبوں پر عمل کر رہی ہے جن میں صحت کے بنیادی مراکز، حفاظتی تدابیر، ضروری ادویات کی تیاری اور جسمانی و ذہنی لحاظ سے معذور بچوں کی فلاح و بہبود اور ان کی صلاحیتوں کو جِلا بخشنے کے پروگرام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

بچوں کے علاج معالجے کی سہولتیں بہتر بنانے کے لئے ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ بچوں کے علیحدہ ہسپتالوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے علاوہ موجودہ ہسپتالوں میں چلڈرن وارڈ کھولنے پر پوری توجہ دی جا رہی ہے۔ اسلام آباد میں بچّوں کے لئے دو سو بستروں کا ایک ہسپتال قائم کیا جا رہا ہے جس میں نہ صرف بچوں کی بیماریوں کا علاج ہو سکے گا بلکہ بچوں کی بیماریوں کے خصوصی معالجوں اور ان کی صحت سے متعلق ذیلی عملے کو بھی تربیت دی جا سکے گی۔ یہ ہسپتال ایک بڑے ہسپتال کا حصّہ ہو گا جس میں ایک ہزار بستروں کی گنجائش ہو گی۔

مجھے اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ بچوں کے علاج معالجے کی یہ سہولتیں ضرورت کے مقابلے میں بہت کم ہیں، لیکن حکومت کے وسائل اتنے نہیں کہ یہ فوراً بچوں کی بہبود سے متعلق اپنے تمام منصوبوں کو فوری طور پر عملی جامہ پہنا سکے۔ اس کے لئے ملک کے تمام لوگوں، خاص کر مخیّر اور متموّل حضرات کو آگے بڑھنا چاہیئے اور اپنی سماجی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں۔

اس سلسلے میں سرکاری اور نجی شعبے کو مل کر ان بیماریوں کا قلع قمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو ہمارے نونہالوں کی بھاری تعداد کو ہر سال ہلاک یا ناکارہ کر دیتی ہیں۔ اس المناک صورتِ حال کا حوصلہ افزا پہلو یہ ہے کہ اکثر و بیشتر بیماریاں لاعلاج نہیں ہیں۔ دورِ حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ بہت سی بیماریوں کا علاج دریافت کیا جا چکا ہے اور ترقی یافتہ ممالک ان سائنسی ایجادات سے استفادہ کر رہے ہیں لیکن پاکستان سمیت تیسری دنیا کے اکثر ممالک ابھی تک ان سہولتوں سے محروم ہیں۔ البتہ یہ بات ہم سب کے لئے ــــ خاص طور پر بچوں کے ماہرین کے لئے ــــ قابلِ غور ہے کہ بچوں کے علاج معالجے کے لئے جو سہولتیں پاکستان میں دستیاب ہیں وہ اتنی مہنگی ہیں کہ ان تک عام لوگوں کی رسائی ممکن نہیں۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں جہاں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ بچوں کے لئے زیادہ سے زیادہ طبی سہولتیں مہیا کی جائیں، وہاں اس طرف بھی توجہ دینی چاہیئے کہ ان سہولتوں سے زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کر سکیں ورنہ سہولتوں کا دستیاب اور نہ دستیاب ہونا برابر ہو جائے گا۔

دوسری اہم بات جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ معاشرتی اور معاشی ماحول بھی بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔ اس لئے ہمیں بیماریوں کو صرف ڈاکٹروں کا دردِ سر سمجھ کر ایک الگ تھلگ خانے میں بند نہیں کر دینا چاہیئے بلکہ انہیں ملک کے مجموعی معاشی، سماجی اور معاشرتی ماحول کا ایک حصہ سمجھنا چاہیئے کیوں کہ دیکھا جائے تو اس کا تعلق ملک کی اقتصادی ترقی سے ہے۔ جوں جوں غربت و افلاس کی گرفت کمزور ہوگی اور ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہوگا، بہت سی بیماریاں خود بخود کم ہو جائیں گی۔ اسی نظریے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے موجودہ حکومت ہیلتھ پالیسی کو ملک کی مجموعی اقتصادی اور معاشی پالیسی کا ایک حصہ تصوّر کرتی ہے اور ملک کے سالانہ ترقیاتی پروگراموں میں اسے خصوصی اہمیت دیتی ہے۔

خواتین و حضرات!

آج کی تقریب میں ابھی ابھی بچوں کی بیماریوں کے سلسلے میں ابلاغِ عامہ کے کردار کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جہاں ہمارے ابلاغِ عامہ کے ذرائع کو مُضرِ صحت اشیاء کی اشتہار بازی سے گریز کرنا چاہیئے وہاں انہیں صحت کی اہمیت ـــ خاص طور پر بچوں کی دیکھ بھال ـ کے متعلق عوام میں آگاہی، Awareness بھی پیدا کرنی چاہیئے کیوں کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ پسماندہ اور دیہاتی علاقوں میں اکثر والدین بچوں کی بیماریوں اور ان کے نقصان دِہ اثرات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوتے۔ وہ اپنے بچوں سے محبت وشفقت کے باوجود اس وقت تک ان کے علاج کی طرف توجہ نہیں دیتے جب تک ان کے نقصان دہ اثرات سامنے نہیں آجاتے۔ ایسی صورت میں جب وہ کسی ڈاکٹر تک پہنچتے ہیں تو ڈاکٹر اس بیماری کا تسلی بخش علاج نہیں کر سکتا کیوں کہ اس تک پہنچتے پہنچتے بیماری اپنا اثر دکھا چکی ہوتی ہے۔

پاکستان پیڈیاٹرک Paediatric ایسوسی ایشن کے صدر نے میڈیکل کالجوں میں بچوں کی بیماریوں کی تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ اس مسئلے میں دو آراء نہیں ہوسکتیں۔ بات بالکل واضح ہے۔ جس ملک کی آبادی کا ۴۵ فیصد حصّہ بچوں پر مشتمل ہو وہاں پیڈیاٹرک Paediatric کے مضمون کو نہ صرف میڈیکل کالجوں کے درسی نصاب میں شامل ہونا چاہیئے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے اس مضمون کو سرِفہرست ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں وفاقی وزارتِ صحت اور سماجی بہبود کے سیکرٹری کی زیرِ صدارت ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی جو مختلف تعلیمی سطحوں پر اس مضمون کو نصاب میں شامل کرنے کا جائزہ لے گی۔ اس کمیٹی کے دوسرے ارکان وزارتِ تعلیم اور بچوں کے خصوصی معالجوں سے لئے جائیں گے۔

حاضرینِ گرامی! میں اب آپ کی توجہ ان کروڑوں عوام کی طرف دلانا چاہتا ہوں جو یا تو شہروں کے گردونواح میں شہری سہولتوں سے محروم جھگیوں اور کچی آبادیوں میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں یا وہ دُور افتادہ اور پسماندہ دیہات میں اس طرح رہ رہے ہیں جس طرح صدیوں پہلے

ان کے آباؤ اجداد رہتے تھے۔ وہاں بھی بچے رہتے ہیں جن کی جانیں اتنی ہی عزیز اور قیمتی ہوتی ہیں جتنی کہ شہر کی موڈرن کالونیوں میں بسنے والوں کی۔ ان کا بھی قومی وسائل اور جدید ایجادات پر اتنا ہی حق ہے جتنا میرا اور آپ کا۔ وہ بھی آپ کی توجہ کے اتنے ہی مستحق ہیں جتنے شہری آبادی کے لوگ۔ اس لئے میں بچوں کے ماہرین اور دوسرے تمام ڈاکٹروں سے التماس کروں گا کہ وہ اپنی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کر کے ان پسماندہ اور دیہاتی علاقوں کی طرف پھیلائیں جہاں ملک کی اسّی فیصد آبادی رہتی ہے کیوں کہ میرا یہ ایمان ہے کہ جب تک ہم اپنی آبادی کے اس کثیر حصّے کو ساتھ لے کر نہیں چلیں گے قومی ترقی اور ملکی خوشحالی کے تمام خواب تشنہ اور بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔

آخر میں، مَیں آپ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس تقریب میں مدعو فرما کر ماہرین کے خیالات سُننے اور ان تک اپنے خیالات پہنچانے کا موقع دیا۔

میں ان الفاظ کے ساتھ اس سیمینار کے رسمی افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے کامیاب بنائیں۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

قومی زرعی تحقیقاتی مرکز کے سنگِ بنیاد کی تقریب سے خطاب

۲۶ مارچ ، ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۶ مارچ، ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں نیشنل ایگریکلچرل ریسرچ سنٹر کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ سنٹر ۱۴۰۰ ایکڑ رقبے پر مشتمل ہے۔

افتتاحی تقریر سے پہلے صدرِ مملکت نے وفاقی وزیر زراعت، ریئر ایڈمرل جناب فاضل جنجوعہ اور پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر امیر محمد خان کے ساتھ تحقیقاتی مرکز کے تجرباتی فارمز کا معائنہ کیا۔

ڈاکٹر امیر محمد خان نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ قومی زرعی تحقیقاتی مرکز میں بہت سی سہولتیں ہوں گی۔ مثلاً مرکزی ریفرنس لائبریری، سماجی اقتصادی تحقیق کا ادارہ، کیڑوں مکوڑوں پر کنٹرول کا انسٹی ٹیوٹ، جینیٹکس کی ایک لیبارٹری اور تیلہن اور دالوں پر تحقیق کا انسٹی ٹیوٹ اس کمپلیکس کا حصہ ہوں گے انہوں نے کہا کہ ہمیں سب سے زیادہ توجہ فی ایکڑ پیداوار بڑھانے پر دینی ہے۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں زرعی ترقی کی اہمیت، خاص طور پر دیہی عوام کی خوشحالی اور قومی دولت میں اضافے کے نقطۂ نظر سے زرعی تحقیق کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کے لئے تحقیقی نتائج، سہولتوں اور ماہرانہ مشورے کو گاؤں کی سطح پر عام کاشتکاروں تک پہنچانے تک لازمی قرار دیا۔

اس موقع پر صدر نے یہ اعلان کیا کہ زرعی تحقیق کے میدان میں نمایاں کام کرنے والے ایک پاکستانی زرعی سائنسداں کو ہر سال صدارتی گولڈ میڈل دیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ﷺ

وفاقی وزیرِ خوراک وزراعت، ریٹائرڈ ایڈمرل محمد فاضل جنجوعہ صاحب،

زرعی تحقیقاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر امیر محمد صاحب،

مہمانانِ گرامی

اور

حاضرینِ کرام !

السّلام علیکم۔ اس تقریب میں آنے سے پہلے میں زرعی تحقیق کے تجرباتی پلاٹ دیکھ کر آیا ہوں جہاں مختلف اجناس کی ہری بھری فصلیں لہرا رہی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا ہے اور میں اس محنت اور کامیابی پر تمام متعلقہ کارکنوں کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح ملک کے تمام کھیتوں کو ہرا اور کھلیانوں کو بھرا رکھے۔

قومی زرعی تحقیقاتی مرکز کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے ہم دراصل ایک نصب العین کے حصول کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہم ایک قومی منزل کے راستے میں ایک سنگِ میل نصب کر رہے

ہیں یعنی ہم اپنے ایک عزم کا عملی اظہار کر رہے ہیں اور وہ عزم ہے ملک کو جلد از جلد خوراک کے معاملے میں خود کفیل بنانا اور خوراک برآمد کرنے کی کھوئی ہوئی صلاحیت دوبارہ حاصل کرنا۔ظاہر ہے یہ وہ مقاصد ہیں جنہیں زرعی تحقیق کے فروغ کے بغیر حاصل کرنا ناممکن ہے۔

کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے میں تین مرحلے مقرر کرتا ہوں۔پہلا مرحلہ اپنے مقصد کا تعیّن ہے۔دوسرا مرحلہ اسے حاصل کرنے میں حائل رکاوٹوں کی نشاندہی اور تیسرا مرحلہ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے عملی اقدامات!ان تینوں مرحلوں میں تحقیق کا براہِ راست یا بالواسطہ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ہماری تحقیق ہمارے اس نصب العین کی تائید کرتی ہے کہ اگر ہم کوشش کریں تو اپنے زرعی مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ہماری زرعی زمین، ہمارے آبی وسائل، ہماری آب وہوا اور ہمارے دیگر ذرائع اتنی صلاحیت رکھتے ہیں کہ ہم ملک کو جلد از جلد خوراک کے معاملے میں خود کفیل بنا سکیں۔ہماری تحقیق اس نصب العین کو حاصل کرنے میں حائل رکاوٹوں کی نشاندہی بھی کر چکی ہے اور انہیں دور کرنے کے لئے ضروری اقدامات تجویز کر رہی ہے۔

جس طرح ہماری قومی معیشت میں زراعت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، اسی طرح زراعت میں ہمارے تمام منصوبوں کی کامیابی کا انحصار زمیندار یا کسان پر ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ملک میں بہت سے روشن خیال اور تعلیم یافتہ زمیندار موجود ہیں جو ترقی یافتہ اور جدید سہولتوں سے استفادہ کرکے زرعی پیداوار بڑھانے کی کامیاب کوششیں کر رہے ہیں، لیکن کاشتکاروں کی بھاری تعداد ان پڑھ آبادی پر مشتمل ہے جن تک تحقیق کے نتائج پہنچانا از حد ضروری ہے جو کوئی آسان کام نہیں۔اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہماری تحقیق کی دو ترجیحات ہونی چاہئیں۔ایک یہ کہ لیبارٹری میں تحقیق کو فروغ دیکر زراعت کے فروغ کیلئے نئے سے نئے طریقے وضع کئے جائیں اور دوسری یہ کہ ان طریقوں سے زیادہ سے زیادہ کسانوں کو بہرہ ور کیا جائے۔دوسرے الفاظ میں جہاں ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کس بیج اور کتنے پانی سے کتنی مقدار میں پیداوار حاصل

کر سکتے ہیں اور کن احتیاطی تدبیروں یا دوائیوں کی مدد سے اس پیداوار کو ضائع ہونے سے بچا سکتے ہیں، وہاں ہمارے کسان کو بھی اس چیز کا احساس اور علم ہونا چاہیئے کہ وہ ان چیزوں سے کس طرح استفادہ کر سکتا ہے۔ اُس کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ ہمارے بعض علاقوں میں پڑھے لکھے اور روشن خیال زمیندار ایسے ہیں جو پچاس سے ساٹھ من فی ایکڑ گندم پیدا کر رہے ہیں جب کہ قومی پیداوار کی شرح بمشکل پندرہ سولہ من فی ایکڑ ہے۔ اس فرق یا تضاد کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں، لیکن میرے خیال میں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ صرف چند زمیندار چند علاقوں میں جدید زرعی سہولتوں سے استفادہ کر رہے ہیں جب کہ کاشتکاروں اور کسانوں کی اکثریت ابھی تک ان سے محروم ہے۔ لہٰذا ہمیں تحقیق کے نتائج کو ہر گاؤں، ہر دیہہ اور ہر چک تک پہنچانا اور تحقیق کے نئے طریقوں میں کسانوں کا اعتماد پیدا کرنا ہوگا کیونکہ غیر تعلیم یافتہ یا نیم تعلیم یافتہ انسان آسانی سے اپنے یا اپنے آباؤ اجداد کے روایتی تجربے سے سبکدوش نہیں ہوتا۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں محکمۂ زراعت کا توسیعی عملہ یعنی Extension Workers اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ملک اور کسان کی ترقی ایک دوسرے سے باہم منسلک ہے۔ یعنی ایک طرف ہم کسان ہی کی کوششوں سے خوراک کے معاملے میں خودکفیل ہو سکتے ہیں کیونکہ جب تک وہ جدید تحقیق سے مستفید نہیں ہوگا اور زراعت کے فرسودہ طریقے ترک نہیں کرے گا، خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔ اس کے برعکس جب ملکی ترقی کے تمام منصوبوں میں دیہات کو ان کا جائز مقام نہیں دیا جائے گا، کسان نئی روشنی سے بہرہ ور نہیں ہوگا۔ موجودہ حکومت دیہات کو ملک کی ترقی کا سرچشمہ تسلیم کرتے ہوئے ان کی بہبود پر اوّلین توجہ دے رہی ہے۔ مواصلات، تعلیم، پانی اور بجلی کی فراہمی کے اقدامات کو ہمہ گیر کر دیا گیا ہے۔ بلدیاتی ادارے مقامی سطح پر اس ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنے اور نتیجہ خیز بنانے میں سرگرم عمل ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ دیہات میں جدید سہولتیں مہیا کرنے سے کسانوں تک جدید تحقیق کے نتائج پہنچانے میں بھی مدد ملے گی۔

تحقیقاتی نتائج کے ضمن میں، مَیں یہ گزارش کرنا چاہوں گا کہ عام کاشتکار کی سطح پر سہل اور مؤثر طریقے پر ان نتائج کی تعلیم اور ابلاغ کا بھی مناسب انتظام ہونا چاہیئے اور بہتر یہ ہوگا کہ کاشتکار زرعی تحقیق کے بہتر تقابلی نتائج کو اپنے کھیتوں میں دیکھ سکیں کیوں کہ اعتماد لفظوں سے نہیں، مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں یونین کونسلیں ایک مؤثر رابطے کا کام دے سکتی ہیں۔ مختصر یہ کہ تحقیق کے جو گل بوٹے آپ لیبارٹری میں لگائیں ان کے پھل اور پھول ہمارے کھلیانوں اور کھیتوں میں بھی پہنچنے چاہئیں۔

ہماری زرعی تحقیق کا دائرۂ کار صرف خوردنی اشیاء تک محدود نہیں رہنا چاہیئے بلکہ اسے ہر اس شعبے کی طرف توجہ دینی چاہیئے جس کا تعلق زرعی دولت سے ہے۔ اس میں جنگلات، مویشی اور بہت سی روغنی اجناس شامل ہیں۔ جنگلات کی افزائش پر خاص طور پر مزید توجہ درکار ہے۔ جنگلات کے موجودہ رقبے میں ملک کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مطابق اضافہ نہیں ہو رہا —— میں چاہتا ہوں کہ موجودہ جنگلات کے تحفّظ اور نئے جنگلات کی افزائش پر خصوصی توجہ دی جائے۔ مجھے امید ہے کہ زرعی سائنسدانوں کی تحقیقات اس شعبے میں ترقی کو زیادہ بار آور کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

حاضرینِ گرامی!

مجھے اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ ایک مؤثر تحقیقاتی نظام کو چلانے کے لئے معقول مالی وسائل اور قابل سائنس دانوں کا ہونا ضروری ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہمارے زرعی اداروں میں ایسے تجربہ کار اور تربیت یافتہ سائنسدانوں کی کمی ہے جو نوجوان سائنسدانوں کی خاطر خواہ تربیت کر سکیں۔ جو سائنس دان ملک میں موجود ہیں وہ بھی ناموافق حالات کا گلہ کرتے ہوئے عموماً بیرون ملک چلے جاتے ہیں۔ ان حالات کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے تاکہ یہاں سے باہر بھاگنے کی بجائے بیرونِ ملک کام کرنے والے پاکستانی ماہر واپس وطن آنے میں کشش محسوس کریں۔ میں

وزارتِ مالیات اور دیگر متعلقہ اداروں کو ہدایت کروں گا کہ وہ اس بارے میں زرعی تحقیقاتی کونسل سے پورا تعاون کریں اور جلد از جلد اس کی مشکلات حل کریں۔ میں کونسل کے چیئرمین سے توقع کروں گا کہ وہ مجھے اس سلسلے میں پیش قدمی کی رفتار سے باخبر رکھیں۔

میں پرسوں یہیں اسلام آباد میں Paediatric Association کی ایک تقریب میں شریک ہوا تھا اور بچوں کی صحت سے متعلق ماہرین کی خدمات کے اعتراف میں صدارتی میڈل دینے کا اعلان کیا تھا۔ زرعی تحقیقات کی اہمیت کے پیشِ نظر مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ آئندہ ہر سال ایک صدارتی تمغہ President's Medal اس زرعی سائنس دان کو دیا جائے گا جس نے زرعی تحقیق کے میدان میں کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہو۔ اس بارے میں ضروری سفارشات زرعی تحقیقاتی کونسل روانہ کیا کرے گی۔

اس موقع پر میں یہ بھی کہتا چلوں کہ زرعی ترقی کے ضمن میں ساری قوم پورے اعتماد اور توقعات کے ساتھ اپنے زرعی سائنس دانوں کی طرف دیکھ رہی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ زرعی شعبے میں سبز انقلاب کا پرچم آپ کے ہاتھوں میں ہے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہمارے زرعی سائنس دان برابر اس شعبے میں روشنی پھیلا رہے ہیں اور قوم خود کفالت کی منزل کی طرف بڑی تیزی سے گامزن ہے۔ ہم انشاء اللہ اس منزل کو جلد پالیں گے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

پی ایم اے، کاکول میں پاسنگ آؤٹ پریڈ سے خطاب

۲۷ مارچ، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت، جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۷ مارچ، ۱۹۸۰ء کو پی ایم اے کاکول کی پاسنگ آؤٹ پریڈ سے خطاب کیا۔ اکیڈمی میں آمد کے موقع پر صدر کا استقبال ڈپٹی چیف آف آرمی سٹاف، لیفٹیننٹ جنرل محمد اقبال خاں اور پی ایم اے کے کمانڈنٹ، بریگیڈیئر عمران اللہ خاں نے کیا۔ خطاب سے پہلے صدر نے پریڈ کا معائنہ کیا۔ سلامی کے چبوترے پر صدر کے پہنچتے ہی چاق و چوبند کیڈٹوں نے سلامی دی۔ پریڈ کے معائنے کے بعد صدر نے اورنگ زیب کمپنی کو قائداعظم کا پرچم دیا جو چیمپین کمپنی قرار دی گئی تھی۔ قرأت کے بعد کمیشن پانے والے کیڈٹوں نے حلف لیا۔ بہترین آل راؤنڈ کارکردگی پر اعزازی تلوار سینیئر انڈر آفیسر، نوید زمان کو دی گئی۔

صدر نے اپنی تقریر میں پریڈ کے معیار کی تعریف کی اور کیڈٹوں کو ان ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جو آئندہ پاک فوج کے افسران کی حیثیت سے ان پر عائد ہوں گی۔ انہوں نے اسلام کے لئے سچے جذبے، اعلیٰ پیشہ ورانہ مہارت اور محنت کی اہمیت پر زور دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

پاکستان ملٹری اکیڈیمی کے کمانڈنٹ بریگیڈئر عمران اللہ خان،

انسٹرکٹر صاحبان

اور

میرے بہادر عزیزو!

السلام علیکم۔ میرے لئے یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ مجھے آج کی تقریب کی صدارت اوراس شاندار پریڈ کے معائنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ کی پریڈ کا معیار ہر لحاظ سے قابلِ ستائش ہے۔ آپ کا عمدہ ٹرن آؤٹ، اعلیٰ ڈرل، پُراعتماد نقل وحرکت اور روشن چہرے اس بات کے گواہ ہیں کہ نہ صرف آپ نے یہاں دوسالہ قیام میں بہت محنت کی ہے بلکہ آپ کا مستقبل بھی بہت روشن اور تابناک ہے۔ میں اس کامیابی پر آپ کو اور اکیڈیمی کے اساتذہ، انسٹرکٹرز اور کمانڈنٹ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے یہ محنت اور لگن جاری رکھی تو انشاء اللہ مزید کامیابیاں آپ کے قدم چومیں گی۔

میرے عزیزو! آپ نے جس اکیڈمی میں دو سال گزارے ہیں وہ ملک کی ایک مایۂ ناز اکیڈمی ہے یہ وہ قابلِ فخر ادارہ ہے جہاں دفاعِ وطن کے لئے نوجوان قیادت کو تربیت دی جاتی ہے۔ اس ادارے کے تعلیم یافتہ افسروں نے گزشتہ تیس بتیس برسوں میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔ ملک کے ان مایہ ناز سپوتوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ان مجاہدوں کی ہے جنہوں نے میدانِ جنگ میں اپنا خون اور اپنی جان نثار کر دی لیکن وطن کی آن اور قوم کی آزادی پر کوئی حرف نہ آنے دیا۔ آج آپ انہی شاندار روایات رکھنے والی فوج میں شامل ہو رہے ہیں۔ اب اِن روایات کو زندہ رکھنا اور آگے بڑھانا آپ کا کام ہے۔

آپ یہاں سے فارغ ہو کر جب اپنی یونٹ میں جائیں گے تو آپ کو سپاہیوں کی شکل میں عسکری زندگی کے بہت اچھے نمونے ملیں گے۔ آپ ان نوجوانوں میں اسلام کے لئے سچا جذبہ، اعلیٰ پیشہ ورانہ لگن اور دفاعِ وطن کے لئے قابلِ رشک جذبۂ ایثار پائیں گے۔ آپ چند روز کے اندر اندر خود محسوس کریں گے کہ آپ دنیا کی بہترین فوج کے فرد ہیں۔

ان سپاہیوں کو قیادت مہیا کرنا آپ کا کام ہو گا اور میں اپنے طویل فوجی تجربے کی روشنی میں آپ پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ صرف اعلیٰ رینک کے زور پر ان سپاہیوں کا اعتماد حاصل کرنا یا ان کا لیڈر بننا ممکن نہیں، اس کے لئے آپ کو ان سے بہتر پیشہ ورانہ مہارت، بہتر جذبۂ ایثار اور بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ آپ کو ان پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کو نسبتاً بہتر تعلیم، بہتر ماحول اور بہتر تربیت نصیب ہوئی ہے جس کو آپ بنیاد بنا کر مسلسل محنت اور لگن سے اعلیٰ کارکردگی کی عمارت تعمیر کر سکتے ہیں۔ یقین جانئے کہ اگر آپ نے یہ کارنامہ کر دکھایا تو یہ سپاہی آپ کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جان نچھاور کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ لہٰذا آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ کمانڈ کے اس بنیادی اصول کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں کہ قیادت وہی دیرپا اور قابلِ اعتبار ثابت ہوتی ہے جس کی اعلیٰ کارکردگی پر زیرِ نگرانی افراد کو

پورا پورا اعتماد ہو۔

پیشہ ورانہ کارکردگی کے ساتھ ساتھ جس بات کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور میں اسے پیشہ ورانہ مہارت سے بھی اعلیٰ تر مقام دوں گا، وہ آپ کا ذاتی کردار ہے۔ قیادت کے لئے صرف یہی لازم نہیں کہ آپ زیرِ کمان افراد کی نسبت بہتر جسمانی صلاحیت رکھتے ہوں یا آپ کا نشانہ ان کی نسبت اچھا ہو یا آپ پلاٹون یا کمپنی کی بہتر طور پر صف بندی کر سکتے ہوں، بلکہ یہ بھی اشد ضروری ہے کہ آپ کا ذاتی کردار ہر داغ سے پاک اور ہر لحاظ سے قابلِ رشک ہو۔ آپ کے دل میں اسلام کے لئے سچی محبت، پاکستان کے لئے جذبۂ خدمت اور دوسروں کے لئے جذبۂ ایثار ہو۔ گویا آپ کی روزمرہ زندگی ایک اچھے مسلمان اور اچھے پاکستانی کے جملہ اوصاف کا عملی نمونہ ہو۔ یہ خوبیاں نہ صرف آپ کو اپنے سپاہیوں اور رفقائے کار میں مقبول بنائیں گی بلکہ اس جہان میں آپ کی کامیابی اور اگلی دنیا میں آپ کی بخشش کا باعث بھی بنیں گی۔

میرے عزیزو! آپ نے ایک ایسے پیشے کا انتخاب کیا ہے جس میں رزقِ حلال ہی نہیں، عزت و احترام بھی ہے۔ ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے دفاع کی ذمہ داری آپ کو ان خوش قسمت لوگوں کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے جو اپنے فرائض انجام دیتے وقت زندہ بچ جائیں تو غازی کہلاتے ہیں اور اگر فوت ہو جائیں تو شہادت کا درجہ پاتے ہیں۔ یہ شرف کسی اور شعبۂ زندگی کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں فوج کو محض ایک پیشہ نہیں بلکہ ایک مسلسل مشن اور جہاد سمجھتا ہوں۔ اسے محض روپے پیسے کے پیمانے سے تولنا اور دوسرے پیشوں سے اس کا مقابلہ کرنا سراسر بے محل اور بے جا ہے کیونکہ جو لوگ اس پیشے میں آتے ہیں ان کے پیشِ نظر مال و دولت جمع کرنا نہیں بلکہ نگارِ وطن کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا ہوتا ہے اور یہ وہ فرض ہے جس کی اپنی خوشیاں اور اپنے انعامات ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ دفاعِ وطن کی ذمہ داریاں

پوری کرنے والے بھی انسان ہیں۔ان کی بھی ذاتی اور خاندانی ذمہ واریاں ہوتی ہیں۔ وہ بھی اس معاشرے کا حصّہ ہیں جہاں مادی اقدار کی کشش روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس لئے ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی کو نظر انداز کر کے اپنے فرائض احسن طریقے سے انجام دیں گے، ایک سراسر غیر حقیقت پسندانہ رویّہ ہے۔ اس لئے حکومت جہاں دفاعِ وطن سے تعلق رکھنے والوں سے اعلیٰ پیشہ ورانہ مہارت اور قابلِ رشک کارکردگی کی توقع رکھتی ہے، وہاں اس بات کی بھی کوشش کر رہی ہے کہ انہیں اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے ضروری وسائل مہیا کئے جائیں۔ مسلح افواج کے افسروں اور جوانوں کی تنخواہ اور فلاح و بہبود پر جو توجہ دی جا رہی ہے وہ اسی سوچ اور فکر کا نتیجہ ہے۔ ملکی وسائل بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ ان سہولتوں کو انشاء اللہ مزید بہتر بنایا جائے گا۔

ملکی وسائل محدود اور ملکی ضروریات غیر محدود ہیں، لیکن اس کے باوجود ہماری مخلصانہ کوشش ہے کہ ملک کی دفاعی ضروریات کو ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے کیونکہ دفاعی ضروریات کو نظر انداز کرنا ملکی سلامتی اور قومی آزادی کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ آپ نے یہاں جو تربیت حاصل کی ہے یا آئندہ دورانِ ملازمت جو مزید پیشہ ورانہ مہارت حاصل کریں گے، اس کا مؤثر اظہار صرف مؤثر ہتھیاروں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ آپ کی دفاعی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے حکومت ضروری ہتھیار حاصل کرنے پر پوری توجہ دے رہی ہے۔ بعض دوست ممالک اس بارے میں ہماری مدد کر رہے ہیں اور ہم ان کے تعاون سے کئی دفاعی شعبوں میں خود کفالت کی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

فوجی سازوسامان کا حصول کسی ملک کے خلاف نہیں بلکہ صرف اپنے دفاع کے لئے ہے۔ ہم ان سیاسی اور فوجی تبدیلیوں سے اچھی طرح باخبر ہیں جو ہمارے گردوپیش میں رونما ہو رہی ہیں۔ ان تبدیلیوں نے ہماری سلامتی کے لئے نئی مشکلیں اور نئی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔

ہم صورتِ حال کا ٹھنڈے دل سے مسلسل جائزہ لے رہے ہیں اور وہ تمام فوجی اور سفارتی اقدامات کر رہے ہیں جو دفاعِ وطن کے لئے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلح افواج اور پوری قوم صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔

آخر میں، مَیں آپ کو یہی یاد دلانا چاہتا ہوں کہ عسکری پیشہ جس کا آپ نے رضاکارانہ طور پر انتخاب کیا ہے، آپ سے کُلّی وفاداری یعنی Total Commitment کا تقاضا کرتا ہے۔ اس میں اپنے نصب العین سے آپ کی وفاداری انتہائی اور کُلّی ہونی چاہیئے۔ اسی طرح آپ کی پیشہ ورانہ مہارت ہر لحاظ سے تسلی بخش اور کامل ہونی چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر وہ عظیم مقاصد حاصل کرنا ممکن نہیں جو آپ کے پیشِ نظر ہیں۔

اس تقریب میں مجھے مدعو کرنے پر میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کو کمیشن پانے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ میں ان کیڈٹوں کو خصوصی داد اور شاباش دینا چاہتا ہوں جنہوں نے دورانِ تربیت امتیازی پوزیشن حاصل کی اور آج کی تقریب میں انعامات پائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آئندہ بھی اپنے عزائم میں کامیاب فرمائے اور پاکستان آرمی کے نصب العین، ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ کو اپنانے کی ہمت اور طاقت عطا فرمائے۔ آمین۔ خدا حافظ۔

پاکستان پائندہ باد

پی ایم اے، کاکول کے کانووکیشن سے خطاب

۲۷ مارچ، ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۷ مارچ کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں کیڈٹوں کی پاسنگ آؤٹ پریڈ سے خطاب کے بعد اکیڈمی کے کانووکیشن سے بھی خطاب کیا۔ کانووکیشن میں کیڈٹوں کو ڈگریاں دی گئیں۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ ساتھ کیڈٹوں کی تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ دفاعِ وطن کے لئے محض جسمانی قوت اور صلاحیت ہی کی نہیں بلکہ ذہنی صلاحیت اور عملی قابلیت کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے کیڈٹوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنے علم میں اضافے کے لئے وسیع مطالعے کی عادت کو اپنائیں۔

پی ایم اے کی پاسنگ آؤٹ پریڈ اور کانووکیشن میں ڈپٹی چیف آف آرمی سٹاف، لیفٹیننٹ جنرل محمد اقبال خان، گورنر سندھ، لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی، مسلح افواج کے سینئر افسران، سفارتی نمائندوں اور کیڈٹس کے والدین اور عزیزوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العٰلمین وَ الصلوٰۃُ وَ السلامُ علیٰ خاتمِ النبیّین ؐ

اکیڈیمی کے کمانڈنٹ' بریگیڈیئر عمران اللہ خان،

انسٹرکٹر صاحبان،

عزیز جینٹلمین کیڈٹس،

مہمانانِ گرامی

اور

حاضرینِ کرام !

السلام علیکم ۔ پاکستان ملٹری اکیڈیمی کے تقسیمِ اسناد کے جلسے میں شرکت میرے لئے خوشی اور عزت کا باعث ہے جس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ میں آج کی تقریب میں اسناد اور دیگر انعامات پانے والے کیڈٹس کو دلی مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرے ۔

پی ایم اے کی کانووکیشن' تقسیمِ اسناد کی عام تقریبوں سے کئی لحاظ سے مختلف اور ممتاز ہے

جس کے دو پہلوؤں کا میں خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہاں نصابی یا درسی تعلیم عام کالج یا یونیورسٹی کی طرح ہمہ وقتی تعلیم نہیں بلکہ عسکری تربیت کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ یہاں زیرِ تعلیم لڑکے فوجی تربیت کی صبر آزما منزلیں طے کرنے کے ساتھ ساتھ ڈگری کورس مکمل کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبا ایک ایسے شعبۂ زندگی میں داخل ہوتے ہیں جس کی کارکردگی اور صلاحیتوں پر ملک کی آزادی اور بقا کا انحصار ہوتا ہے۔ بیک وقت عسکری اور کتابی علم کی یہ دوہری خصوصیات اکیڈیمی میں آپ کی تربیت کے دوران مدِنظر رکھی گئی ہیں۔ میں توقع کروں گا کہ آپ ان خصوصیات کو اکیڈیمی میں ہی نہیں چھوڑ جائیں گے بلکہ انہیں اپنی آئندہ عسکری زندگی کا مستقل حصہ بنائیں گے۔

میں اس مشورے کی وضاحت کرتے ہوئے آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگرچہ فوج میں جسمانی اہلیت کا معیار دوسرے شعبوں کی نسبت کہیں بلند ہوتا ہے لیکن دفاعِ وطن محض جسمانی قوت کا کام نہیں۔ اس کے لئے ذہنی صلاحیت اور ناقابلِ شکست ذہنی حصار ہونا چاہیئے۔ ذہنی صلاحیت سے میری مراد ان علوم کا حصول ہے جو آپ کو اپنے پیشہ ورانہ فرائض انجام دینے کے اہل بناتے ہیں۔ اس میں ہتھیاروں کا استعمال، جنگی چالوں کا مطالعہ اور نئے طریقۂ جنگ سے واقفیت وغیرہ شامل ہیں جب کہ ذہنی حصار سے میرا مطلب وہ عزم ہے جو جنگ کے انتہائی نازک مرحلوں میں آپ کو ہمت نہ ہارنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ عسکری تاریخ اس بات کی شاہد ہے اور وقت آنے پر آپ خود اس کا تجربہ کریں گے کہ جنگ میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب دونوں حریف اپنا اپنا زورِ بازو دکھا کر نڈھال ہو چکے ہوتے ہیں۔ دونوں اپنا اپنا اسلحہ اور اپنی اپنی جنگی چالیں آزما بیٹھتے ہیں اور دونوں کی ظاہری حالت ایک جیسی ہوتی ہے لیکن آخر کار صرف وہی ہار تسلیم کرتا ہے جس کے ذہنی قوا پہلے جواب دے جاتے ہیں۔ گویا جنگ کی ہار جیت کا حتمی انحصار صرف جنگی ساز و سامان یا جنگی حکمتِ عملی پر نہیں ہوتا بلکہ اس کا فیصلہ انسانی ذہن کے مضبوط یا کمزور حصار پر

ہوتا ہے۔ لہٰذا میں آپ کو یہی تلقین کروں گا کہ آپ جب اپنی پیشہ ورانہ مہارت بڑھانے کے لئے مختلف کورسز کریں یا اپنے طور پر مطالعہ جاری رکھیں تو اپنے عزم و حوصلہ کے اس حصار کو ضرور مضبوط بنائیں۔

عزم و حوصلے کا ذکر کرتے ہوئے شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہر علم آپ کو یہ نادر خصوصیت عطا نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے آپ کو اپنے ایمان اور اپنے فلسفۂ حیات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ ایک ایسے دین کے پیروکار ہیں جو آپ کو ایسی ایمانی قوّت بخشتا ہے جو آڑے سے آڑے وقت میں آپ کا ساتھ دے سکتی ہے یہ وہ دینِ فطرت ہے جو آپ کو ناقابلِ شکست عزم سے لیس کر سکتا ہے گویا یہ وہ نظریۂ حیات ہے جو انتہائی صبر آزما لمحات میں آپ کو ثابت قدم رکھ سکتا ہے۔

مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے کی نسبت سے آپ بچپن سے ہی اس دین کی نعمتوں سے فیض یاب رہے ہیں، لیکن اس بنیاد کو مستحکم کرنے اور اس پر کردار کی دیوار تعمیر کرنے کے لئے یہاں آپ کے نصاب میں عربی زبان اور اسلامیات کی تعلیم شامل کی گئی ہے۔ عربی زبان سیکھنے سے آپ کو دینِ اسلام کے اَبدی سرچشمے یعنی قرآن مجید کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اسلامیات کی تعلیم آپ کو اسلامی تعلیمات اور تاریخِ اسلام سے آگاہ کرتی ہے، لیکن یہ کوششیں اپنی تمام تر افادیت کے باوجود ابتدائی نوعیت کی ہیں۔ ان کو مزید آگے بڑھانا اور ان سے استفادہ کرنا آپ کا کام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نے قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے کردار کی بنیاد بنایا تو آپ میں وہ قوّت اور وہ صلاحیّت آجائے گی جو نہ صرف میدانِ کارزار میں آپ کا ساتھ دے گی بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں آپ کی معاون اور رہنما ثابت ہوگی۔

قوم نے آپ کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دفاع کی بھاری ذمہ داری سونپ کر آپ کی اہلیت پر بھرپور اعتماد کیا ہے۔ اس اعتماد پر پورا اترنے کے لئے آپ کو یہاں چند بنیادی

صلاحیتوں سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ قوم کے اس اعتماد کو نبھانے کے لئے آپ اپنی ان صلاحیتوں میں متواتر اضافہ کرتے رہیں گے۔ آپ بے شک آج اکیڈیمی سے فارغ ہو گئے ہیں، لیکن آپ دراصل تعلیم سے "فارغ التحصیل" نہیں ہوئے کیونکہ اسلام کے فلسفۂ تعلیم کے مطابق کوئی مسلمان تحصیلِ علم سے کبھی "فارغ" نہیں ہوتا بلکہ اسے آخری دم تک تحصیلِ علم کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ آپ نے اس علم کے حصول کا ایک مرحلہ اپنے سکول اور کالج میں پورا کیا، دوسرا مرحلہ یہاں اکیڈیمی میں تکمیل کو پہنچا۔ ابھی اس سلسلے کے ان گنت مرحلے ہیں جنہیں آپ نے طے کرنا ہے۔ ان مراحل میں کہیں کہیں فوج بھی آپ کی مدد کرے گی اور وقتاً فوقتاً آپ کو پیشہ ورانہ کورسز کرائے گی، لیکن اس کے زیادہ تر مراحل آپ نے خود طے کرنے ہیں۔ جب تک آپ خود اپنے آپ کو جدید تحقیقات اور جدید علوم سے بہرہ ور نہیں رکھیں گے، آپ زندگی کی دوڑ میں آگے نہیں بڑھ سکیں گے پڑھنے پڑھانے کی طرف زیادہ توجہ دیجئے۔ یہ عمل آپ کے بہت کام آئے گا۔

کانووکیشن کی صدارتی تقریر میں عموماً یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ اکیڈیمی چھوڑنے کے بعد اپنے عسکری پیشے سے متعلق کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ جاری رکھیں۔ میں اس نصیحت کی تردید نہیں کرنا چاہتا، لیکن اس میں یہ اضافہ ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنا مطالعہ صرف اپنے مخصوص آرم یا سروس کی کتابوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ سنیارٹی اور رینک میں اضافے کے ساتھ ساتھ اپنے مطالعے کو بھی وسعت دیتے جائیں کیونکہ وسیع مطالعے کے بغیر آپ اپنے پیشے سے پورا پورا انصاف نہ کر سکیں گے۔

وسعتِ تعلیم پر زور دینے کی وجہ میرا یہ احساس ہے کہ موجودہ دَور میں فوجی قیادت صرف روایتی انداز کی کمان، انتظامی امور پر توجہ یا نقل و حرکت کے مروّجہ طریقوں تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک نہایت پیچیدہ اور وسیع خصوصیات کا حامل پیشہ بن چکا ہے جس کے تقاضے

احسن طریقے سے پورا کرنے کے لئے فوجی علوم کے علاوہ جغرافیہ، بین الاقوامی سیاسیات، حالاتِ حاضرہ، معاشیات، عمرانیات اور نفسیات وغیرہ سے بھی واقفیت ہونا ضروری ہے کیونکہ ایک فوجی کمانڈر کو ایک طرف اپنے زیر کمان انسانی ذہنوں اور جدید ہتھیاروں سے واسطہ پڑتا ہے تو دوسری طرف اسے ملکی اور علاقائی حالات سے بھی باخبر رہنا پڑتا ہے۔

میرے عزیزو!

آپ نے جس پیشے کا انتخاب کیا ہے اس کی اپنی ذمہ داریاں اور اپنے تقاضے ہیں جن کے متعلق آپ کو کئی لیکچر دیئے جا چکے ہوں گے۔ میں آخری دن اس موضوع پر مزید ایک لیکچر کا اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔ صرف اس کے ایک اضافی پہلو کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ آج اس اکیڈمی کے خوب صورت ماحول اور ایبٹ آباد کے روح پرور مناظر سے فارغ ہو کر چند دنوں کی رخصت کے بعد آپ ملک کے مختلف حصّوں میں پھیل جائیں گے۔ آپ میں سے کوئی بلوچستان کی سنگلاخ سرزمین پر پہنچ جائے گا اور کوئی شمالی علاقوں کے فلک بوس پہاڑوں پر دفاعِ وطن کا فریضہ انجام دے گا۔ کوئی سندھ کے وسیع ریگستانوں سے لطف اندوز ہوگا اور کوئی پنجاب کی سرحدوں کی پاسبانی کرے گا۔ آپ کو اس پیشے میں ملازمت کے دوران ملک کا ایک ایک علاقہ اور ایک ایک حصّہ دیکھنے کا موقع ملے گا۔ اس طرح آپ نہ صرف مختلف علاقوں کے جغرافیائی خدوخال سے واقفیت حاصل کریں گے بلکہ ان علاقوں میں بسنے والے اہلِ وطن کی سوچ بچار، عادات و خصائل اور بود و باش سے بھی براہِ راست مستفید ہوں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس تجربے سے آپ کی معلومات میں اضافے کے علاوہ آپ کے ملّی شعور اور قومی فکر کو بھی جِلا ملے گی اور یہی قومی شعور اور اس کا فروغ ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر دفاع سمیت کسی بھی شعبۂ زندگی میں ترقی کرنا ناممکن ہے۔

آخر میں، میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس شاندار تقریب میں مدعو کر کے عزت بخشی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا نگہبان اور حامی و ناصر ہو۔

خدا حافظ

پاکستان پائندہ باد

کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، لاہور کی تقریب سے خطاب

۲۹ مارچ، ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۹ مارچ کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں ایک بین الاقوامی سمپوزیم کا افتتاح کیا۔ سمپوزیم میں ملک کے مختلف حصوں اور امریکہ میں مقیم ممتاز پاکستانی ڈاکٹروں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

کالج کے پرنسپل، پروفیسر سیال نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے اس طرف توجہ دلائی کہ سابقہ دور میں ملک میں میڈیکل کالجوں کا قیام کسی منصوبہ بندی کے بغیر ہوا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بیشتر نئے میڈیکل کالجوں میں سٹاف پورا نہیں ہے اور ہسپتال وغیرہ کی مناسب سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ بعض کالج ایسے ہیں جہاں پرنسپل کے سوا تجربہ کار سٹاف تک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ان کالجوں کے ساتھ جو ہسپتال ہیں ان میں بہت کم مریضوں کی گنجائش ہے۔ اسی طرح میڈیکل کالجوں میں نشستوں کی تعداد بھی بڑھا دی گئی ہے جو وہاں موجود سہولتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں کنگ ایڈورڈ کالج کی خدمات کی تعریف کی اور طبی پیشے سے وابستہ افراد کو ان کی سماجی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ صدر نے پاکستان میں میڈیکل تعلیم کو منظم طریقے سے چلانے اور انتظامات کو بہتر بنانے کے لئے حکومت کی کوششوں کا بھی ذکر کیا۔

بعد میں صدر نے کالج سے ملحقہ لان میں میڈیکل کالج کی ایک نمائش دیکھی۔ وہ ہر سٹال پر گئے اور

نمائش میں رکھے گئے آلات وسامان کے بارے میں متعدد سوالات کئے۔

اس تقریب میں صوبۂ پنجاب کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل سوار خان، صوبائی مشیر اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام نے بھی شرکت کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ خَاتَمِ النَّبِیِّینَ

جناب گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل سوار خان صاحب،

کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے پرنسپل، پروفیسر این۔ اے سیال صاحب،

اساتذۂ کرام،

کنگ ایڈورڈ کالج کے فارغ التحصیل اور زیرِ تربیت طلبا و طالبات،

کنگ ایڈورڈ کالج کی ایسوسی ایشن کے گزشتہ اور موجودہ پریذیڈنٹ،

مہمانانِ گرامی، حاضرینِ کرام!

السّلام علیکم - میرے سامنے دو Options ہیں۔ایک تو یہ کہ میں تکلفات کے ذریعے سے ایک معروفی خطبہ آپ کے سامنے پیش کروں اور آپ تالیاں بجائیں اور میں چلا جاؤں —— ALTERNATIVE یا دوسرا رُخ یہ ہے کہ اس بے تکلفانہ ماحول میں جہاں پاکستان کے نہ صرف نامور اساتذہ ڈاکٹر صاحبان موجود ہیں بلکہ غیر ملکوں سے پاکستان کے نمائندے بھی آئے ہوئے ہیں، جن میں امریکہ پیش پیش ہے، میں ان کے سامنے کچھ ایسی گزارشات کروں جن سے دل میں چبھن پیدا ہو کیونکہ ڈاکٹروں

کا اس وقت یہاں چار پانچ سو کا جو مجمع ہے اسے دیکھ کر دل کو بڑی خوشی بھی ہوئی ہے، وہ اس لئے کہ آپ دیکھئے کہ آج کل کے معاشرے کے اندر جو ڈاکٹر ہے میرے خیال میں وہ نہ صرف جسمانی امراض کا معالج ہے بلکہ اُسے معاشرے کا بھی معالج ہونا چاہیئے۔ اور اس سلسلے میں آپ یہ دیکھیں گے، کم از کم مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ یہاں ماشاءاللہ استاد اور شاگرد، لڑکے اور لڑکیاں خواتین و حضرات سب اکٹھے شانہ بشانہ ایک ایسی تقریب کے اندر حصہ لے رہے ہیں جس سے بہت سی توقعات وابستہ کی جا رہی ہیں۔ مجھے جو سب سے بڑی خوشی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ آج سے دو سال پہلے میں نے ایک اعلان کیا تھا کہ ہمارے پاکستان کے بہت سے نامور انجنیئر، ڈاکٹر اور ماہرین تعلیم پاکستان کے نمائندوں کی حیثیت سے باہر کے ملکوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اگر وہ یہ چاہیں کہ ان کی تعلیم سے اگر کچھ پاکستان کے لوگوں کو بھی فائدہ ہو تو میں انہیں پاکستان آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اس سلسلے میں ہم نے ایک Talent Pool بھی بنایا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی نشر و اشاعت بھی کی اور بہت سے لوگوں کے ذریعے ان کو کہلایا بھی اور مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ اگر کم از کم اس طریقے کی رُو سے نہیں لیکن کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے فارغ التحصیل طلبا نے جن کی زیادہ اکثریت آج کی تقریب میں North America کے ساتھ ہے، کم از کم انہوں نے اس بارے میں کچھ Initiative لیا ہے اور اس مذاکرے کی تنظیم کا بندوبست کیا ہے۔ اس لئے میں نہ صرف کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے اساتذہ و طلبا بلکہ خاص طور پر فارغ التحصیل طلبا کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس مذاکرے کے بہت سے اچھے نتائج نکلیں گے جن کا نہ صرف میڈیکل تعلیم سے تعلق ہے بلکہ میڈیکل تعلیم کے ساتھ اور جتنے مسائل ہیں، کم از کم ان کو سلجھانے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ روشنی ڈالی جائے گی حالانکہ مذاکرے سے آپ کا جو مقصد ہے وہ سراسر فنّی ہے۔ Up to date in Medicine and Surgery لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے توقع ہے کہ میڈیکل تعلیم کے ساتھ جتنے مسائل پاکستان کو درپیش ہیں

کم ازکم ان پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈالی جائے گی۔ امریکہ میں بسنے والے ڈاکٹر تو کم ازکم ان کی طرف توجہ دے سکتے ہیں جس طریقے پر ڈاکٹر سیال صاحب نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں بہت سی چیزوں کی طرف توجہ دلائی۔ میں آپ کی خدمت میں چند ایک گزارشات کرنا چاہتا ہوں۔ ان کا کچھ تعلق آپ کی تعریف کے ساتھ بھی ہے اور کچھ کا تعلق آپ کے شعبے پر تنقید بھی ہے۔ تعریف کے لحاظ سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اور پاکستان کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج جیسے ادارے پر فخر ہونا چاہیئے۔

اور میں یہ کہنے میں ذرا بھی تکلف محسوس نہیں کروں گا کہ آج پاکستان میں میڈیکل تعلیم کے سلسلے میں کوئی مثبت کردار ادا کرنے والا واحد ادارہ موجود ہے تو وہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج ہے۔ آپ کے اس ادارے نے باقی اداروں کے لئے اساتذہ پیدا کئے ہیں۔ آپ کے ادارے نے ایسے اشخاص بھی پیدا کئے ہیں جن میں آج کے ڈاکٹر سیال جیسی ہستی شامل ہے۔ جو آج اس ادارے کی سربراہی کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ یہ آپ کے ادارے کی خصوصیت ہے کہ اس نے اپنے ہاں کے فارغ التحصیل بڑے طلبا کو اُکسایا کہ وہ پاکستان آکر اس مذاکرے میں حصّہ لیں اور اس کی تربیت اور اس کی Organization میں بھی انہوں نے ہی زیادہ کارروائی کی ہے۔ جس کی وجہ سے نہ صرف وہ قابلِ تحسین ہیں بلکہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج خود اس مذاکرے کے انعقاد کے لئے قابلِ تحسین ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ پاکستان کے دوسرے ادارے اس سے کچھ نہ کچھ سبق حاصل کر کے اپنے معیار کو، اپنی خدمات کو اس ادارے کے شانہ بشانہ لانے کی کوشش کریں گے۔ میں آپ کی تعریف میں چند ایک کلمات اور کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، ڈاکٹر نہ صرف جسمانی امراض کا معالج ہو بلکہ اسے معاشرے کا بھی معالج ہونا چاہیئے۔ معاشرے کے معالج کی حیثیت سے آپ اپنی طرف سے یہ دیکھیئے کہ آپ پاکستان میں رہتے ہوئے پاکستان کے لوگوں کی کیا خدمات انجام دیں؟ اس کا جواب میں آپ سے نہیں لینا چاہتا۔ اس کا جواب آپ خود اپنے آپ کو دیجئے۔ اس وقت پاکستان میں جہاں اور

بہت سی نفسا نفسی کا عالم ہے وہاں ڈاکٹری کے شعبے کا بھی یہی حال ہے۔ کم ازکم پاکستان میں ایک ادارہ تو ایسا ہو، ادارے سے میری مراد ایک ایسا پیشہ تو ہو جس میں کم ازکم اتفاق پیدا کیا جا سکے۔ آج پاکستان کی میڈیکل ایسوسی ایشن کی بھی کئی شاخیں ہیں۔ صوبائی شاخیں علیحدہ ہیں۔ سنٹرل شاخ علیحدہ ہے اور پھر جوش اور جذبے میں آنے کے بعد نوجوان نسل نے اپنی علیحدہ تنظیم بھی قائم کرلی ہے یعنی Young Doctors Association میں آپ کو اپنی ایسوسی ایشن کی کارکردگی پر مبارکباد ضرور دیتا ہوں، لیکن میں آپ سے یہ ضرور التجا کروں گا کہ پاکستان کی آب وہوا اور حالات کے مطابق آپ کو اس معاشرے کے لئے بہت سا کام کرنا ہے۔ آج کا سب سے بڑا معالج کیسا ہے؟ اگر آپ اپنے پیشے کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ آج سے کئی سو سال پہلے کا حکیم صرف نبض دیکھ کر بتا دیا کرتا تھا کہ یہ عورت نہیں بچھڑا ہے، آپ نے سُنی ہو گی یہ بات، بلکہ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ بھئی دیکھو آپ صحیح اخلاق پیدا کریں۔ اس کی مثال وہ خود دیا کرتے تھے۔ میں آپ سے یہ پوچھنے کی جسارت کروں گا کہ آج کل کے ڈاکٹر حضرات میں سے کتنے صاحبان یا کتنی محترمات یہاں موجود ہیں جن کی نظر اس نہایت اہم اور معزز پیشے پر ہے کہ جس سے نہ صرف آپ کو دنیاوی عزت ملتی ہے بلکہ آپ کی آخرت بھی سنورتی ہے۔ اس میں کتنے اشخاص ایسے ہیں جو صبح اٹھنے کے بعد یا شام کو سونے سے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ آج انہوں نے قوم کے کتنے افراد کی خدمت کی۔ میں آپ کی اجازت سے ان لوگوں کی نشاندہی کرانا چاہتا ہوں جو رات کو سونے سے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ آج انہوں نے کتنے روپے کمائے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے اندر ایسے ایسے لوگ بھی شامل ہیں۔ اگرچہ وہ آٹے میں نمک ہی کے برابر کیوں نہ ہوں لیکن ان کی نشاندہی موجود ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کی بھی تعریف سُنی ہے جنہوں نے آپریشن ٹیبل پر جسم کو چیرا دینے کے بعد اپنی فیس مقرر کی ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں بھی سُنا ہے جن کی بیویاں بوریوں میں نوٹ بھر کر بینکوں میں جمع کرانے جاتی ہیں۔ آپ کے پیشے کے اندر ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے اپنی جیب سے لوگوں

کو تعلیم حاصل کروائی ۔جنہوں نے خود تو ایک وقت کا کھانا کھایا ہے لیکن لوگوں کو دو وقت کا کھانا کھلایا ہے۔ میں آپ کی توجہ ان لوگوں کی طرف دلاتا ہوں نہ کہ اول الذکر کی طرف ۔ ڈاکٹر حضرات بے شک حلال کی کمائی ضرور کمائیں ۔ آج سے چند روز پہلے میں نے ایک Paediatric Conference میں شرکت کی اور اس کے بعد کچھ صحافی حضرات سے میرا سامنا ہوا تو انہوں نے پہلا ہی سوال یہ کیا کہ جناب آپ ڈاکٹروں کی فیس بھی مقرر کر رہے ہیں یا نہیں ۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے ۔ انہوں نے کہا کہ جناب خدا کے واسطے آپ کچھ مہربانی کیجئے ۔ ایک ڈاکٹر کی فیس آج کل اتنی زیادہ ہے کہ ایک غریب آدمی نہیں دے سکتا ۔ میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ آج سے کئی سال پہلے جب میں پنڈی میں فوجی سلسلے میں ملازمت کر رہا تھا تو پنڈی کے ایک خاص حصے میں ایک ڈاکٹر صاحب بڑے مشہور تھے اور ہر صبح و شام ان کی دُکان کے باہر لائن لگی ہوئی ہوتی تھی ۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ یہاں مریض زیادہ آتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ صاحب ، ڈاکٹر صاحب صرف ایک روپیہ لیتے ہیں ۔ مریض کو خواہ سرطان ہو ، خواہ اس کو نمونیہ ہو یا ملیریا ۔ جب یہاں لائن میں آ کے کھڑا ہو گیا تو وہ ایک روپیہ لیتے ہیں اور نسخہ لکھ کر دے دیتے ہیں ۔ لوگوں کو ان پر اتنا یقین ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں اتنی برکت دی ہے کہ مریض صحت یاب ہو جاتا ہے ۔ تو جناب دنیا میں اس قسم کے لوگ بھی ہیں ۔ یہاں لاہور میں اکثر و بیشتر آپ نے کئی اچھے ڈاکٹروں کے قصّے بھی سُنے ہوں گے ۔ میں آپ سے صرف اتنی گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے ، ایسے فرد کی حیثیت سے جس پر معاشرے نے (حکومت کا میں لفظ استعمال نہیں کرتا ہوں) آپ کی تعلیم کے سلسلے میں بہت بڑا کردار انجام دیا ہے ۔ اگر حکومت نے آپ پر اتنا روپیہ خرچ نہ کیا ہوتا تو آج آپ اس قابل نہ ہوتے کہ ایک اچھے ڈاکٹر یا اچھی لیڈی ڈاکٹر بن سکتے یا اپنی طاقت سے اپنے لئے کمائی کا اتنا زیادہ حصّہ نہیں کما سکتے تھے جس سے آپ دوسروں کی نسبت اچھی زندگی گزار سکیں ۔ اس

سلسلے میں، میں نے پچھلے دنوں سے یہ کہنا شروع کیا ہے کہ تمام ڈاکٹر صاحبان جو فارغ التحصیل ہوں، اپنے اپنے کالج یا اپنے اپنے ادارے کی حالت بہتر بنائیں۔ ہمارے ہاں بہت سی تکالیف ہیں اور ان تکالیف کی بنیاد ہمارے محدود وسائل ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا یہ بھی ایمان ہے کہ صرف وسائل کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیئے۔ اگر یہ دیکھا جائے تو بتیس سال کا عرصہ کسی قوم یا ملک کی تاریخ کا ایک بالکل معمولی سا حصہ ہے۔ اتنے قلیل وقت کے اندر قومیں نہیں بنا کرتیں، قوموں کو بنانے کے لئے جس منزل کی طرف رُخ کیا جاتا ہے، اس میں پہلے اینٹیں مہیا کی جاتی ہیں پھر اس کی بنیادیں رکھی جاتی ہیں۔ میں اور آپ آج اس قوم کی، اس ملک کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ للہ اس بنیاد کو مضبوط بنایئے۔ اگر اس وقت ہم نے یہ بنیاد رکھنے میں کسی قسم کی کمزوری دکھائی تو اس پر جو عمارت کھڑی ہوگی وہ دیرپا نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں آپ کا کردار میرے کردار سے زیادہ مضبوط ہونا چاہیئے اس لیے میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ ڈاکٹر صاحبان معاشرے کو صحیح طریقے پر لانے کے لئے اپنے اخلاق سے اس کی بنیاد مضبوط رکھیں۔ دیکھیئے آپ ایک واحد ہستی ہیں، خواہ آپ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے استاد ہیں، خواہ آپ پرائیویٹ پریکٹس کر رہے ہیں۔ روزانہ آپ کا واسطہ اس معاشرے کے بہت سے ایسے اشخاص سے پڑتا ہے جن کا تعلق زندگی کے نچلے درجے سے بھی ہے جن کا تعلق مڈل کلاس سے بھی ہے، جن کا تعلق اچھے مالی حالات رکھنے والے لوگوں سے بھی ہے۔ اگر آپ کا اپنا اخلاق بلند ہو، آپ کیلئے پیشے میں جاذبیت اور دل میں حب الوطنی ہو تو جس وقت آپ نسخہ لکھ کر دیتے ہیں یا مریض کی طرف دیکھتے ہیں اس کو صرف اتنا کہیئے کہ بھئی اچھے مسلمان بنو، اچھے پاکستانی بنو، تو میں امید کرتا ہوں اور مجھے پورا یقین ہے کہ نہ صرف آپ کے لکھے ہوئے نسخے سے اس کو فائدہ پہنچے گا بلکہ یہ دو جملے جو آپ نے اس کو کہے ہیں، معاشرے پر ان کا بہت اچھا اثر پڑے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں بہت سی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کم از کم ہماری موجودہ حکومت کی توجہ اس پر بہت گہری ہے اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں تعلیم کا معیار بلند ہو، وہاں ایسی تعلیم کا، ایسی فنی تعلیم کا جس کا تعلق معاشرے سے Direct ہے جس کا تعلق انسانوں کی صحت و توانائی سے ہے، میرا مطلب ہے کہ میڈیکل کے شعبے کے ساتھ، ہماری کوشش یہ ہے کہ اس کو جتنی جلدی ممکن ہو مضبوط بنایا جائے۔ اس سلسلے میں چند ایک چیزوں کی طرف جن کا ذکر ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے، میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلی یہ کہ ہم نے اس چیز کا تہیہ کیا تھا کہ نہ صرف میڈیکل کالج (بلکہ میڈیکل کالج کو اس ضمن میں خصوصی حیثیت دی) بلکہ تمام تعلیمی اداروں کو مضبوط بنایا جائے۔ ان میں اضافہ نہ کیا جائے۔ ہماری گزشتہ دو ڈھائی سال کی یہی کوشش رہی ہے کہ ہم جس جس ادارے کو پختہ بنا سکیں اس کو پختہ بنائیں بجائے اس کے کہ ہم یہ کہہ دیں کہ ہم نے اتنے سکول، اتنے Colleges یا اتنے Medical Colleges اور کھول دیئے ہیں۔ میڈیکل کالجوں کی تعداد میں تین کا اضافہ ہوا ہے۔ وہ تینوں مثالی ادارے ہیں یا انشاء اللہ ہوں گے۔ آج سے چند سال پہلے ۱۹۷۷ء میں ہم نے پہلے آرمی میڈیکل کالج کی بنیاد رکھی اور آرمی میڈیکل کالج کی کارکردگی کی طرف ڈاکٹر سیال صاحب نے خود اشارہ کیا ہے۔ اس ادارے کا تذکرہ اس لئے ضروری نہیں کہ اس کا تعلق میرے ساتھ Direct ہے، بلکہ میں اس ادارے کی تعریف اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری توجہ اچھے ڈاکٹر بنانے کی طرف ہے نہ کہ ایسے ڈاکٹر جو صرف ڈاکٹر کے نام سے مشہور ہوں۔ دوسرا کالج جو بنایا گیا ہے وہ ایوب میڈیکل کالج ہے ایبٹ آباد میں، صرف اس وجہ سے کہ اس علاقے میں اس تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دینی ہے اور تیسرا ادارہ جو کراچی میں بن رہا ہے، اور حقیقی معنوں میں ایشیا کا واحد مثالی ادارہ ہوگا وہ ہے آغا خان میڈیکل کالج۔ اس سے میں آپ پر یہ ظاہر کرنا چاہتا

ہوں کہ ہماری توجہ اس طرف رہے کہ میڈیکل کالج میں نہ صرف معیار اچھا ہو بلکہ ان کی جتنی دقتیں ہیں، ان کی جتنی مشکلات ہیں، ان کو رفع کیا جائے۔ جہاں تک طلبا کے داخلے کا تعلق ہے، اس میں بھی ہم نے کوئی اضافہ نہیں کیا نہ اضافہ کرنے کا ارادہ ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر پر آپ نے بہت سی تالیاں بجائیں اور میرے کہنے پر، مجھے معلوم ہے، آپ تالی نہیں بجائیں گے بلکہ آپ کو افسوس ہو گا۔ میں اس وقت تعداد میں کمی کرنے کے حق میں نہیں ہوں کیونکہ ہماری بھی کچھ ضروریات ہیں، ملک کی کچھ ضروریات ہیں۔ ملک کی ضروریات یہ ہیں کہ اس وقت بائیس ہزار افراد کے پیچھے ایک ڈاکٹر ہے، لیکن آج سے تین سال بعد ڈاکٹروں کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو گا۔ اس وقت ہمارے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً اکتیس ۳۱ ہزار ڈاکٹر موجود ہیں جن میں سے اکیس ہزار ڈاکٹر ایسے ہیں جو باہر جا چکے ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ کسی نہ کسی وقت وہ ضرور پاکستان واپس آئیں گے۔ اگلے سال سے ہر سال پاکستان چار ہزار ڈاکٹر پیدا کرے گا۔ اب بتایئے کہ علاج کے لئے اگر پاکستان میں ہم اچھی سہولتیں پیدا نہیں کریں گے تو ان کا کیا اثر ہو گا۔

آج کل کے حساب سے بیرونی ملکوں میں جانا بھی اتنا آسان نہیں رہا کیونکہ بیرونی ملکوں میں بھی ڈاکٹروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ڈاکٹر پاکستان میں رہیں۔ ان کی تنخواہ، ان کی سہولیات، ان کی ضروریات پاکستان خود پوری کرے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ پاکستان میں لوگوں کی خدمات انجام دیں۔ جس تقریب میں بھی میں جاتا ہوں ہمیشہ دیہی علاقوں کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کرتا ہوں۔ پاکستان کی ستر سے اسی فیصد آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہے اور آپ بتایئے کہ آج کل پاکستان میں کتنے ہسپتال، کتنے شفاخانے، کتنے کالج اور کتنی یونیورسٹیاں ایسی ہیں جو دیہی علاقوں کی طرف توجہ دے رہی ہیں۔ پاکستان کے موجودہ احکامات کے مطابق ایک ڈاکٹر کو فوج میں دو سال لازمی سروس کرنی پڑتی ہے۔ میں اب اس چیز کو ایک قدم اور آگے لے جانا چاہتا ہوں اور اس کا اعلان بھی میں آج کر رہا ہوں۔ اس کا ذکر میں نے کچھ دن پہلے کیا تھا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کے اداروں سے جو ڈاکٹر فارغ التحصیل

ہوں وہ سب سے پہلے دو سال قوم کی خدمت کریں ان میں سے جن کا چناؤ فوج میں جانے کے لئے ہو، ان کو فوج میں دو سال نوکری دی جائے باقی جو طلبا نئے ڈاکٹر بنیں، ان میں سے بعض اپنے اپنے اداروں میں House Surgeons کی آپ کو ضرورت ہے، دوسرے Surgeons کی آپ کو ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام ڈاکٹر دو سال بطور Conscriptee کے سول سروس کریں اور ان کا تعلق دیہی علاقوں کے ساتھ ہو تاکہ آپ کو بھی معلوم ہو کہ پاکستان کی ستر فیصد آبادی کو کیا تکلیف ہے۔ آج پاکستان میں جہاں ہم لوگ بہت پیچھے ہیں، باقی علاقوں کے لوگ چاند کو ہاتھ لگا آئے ہیں۔ ہمارے احباب North America سے یہاں آئے ہیں ہمیں تعلیم دینے کے لئے اور کچھ ہم سے سبق سیکھنے کے لئے پاکستان کے بعض حصوں میں آپ یقین جانئے، میں نے کئی دفعہ اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ ایسے علاقے بھی ہیں جہاں سر درد کی دوائی کے لئے ایک آدمی اسپرو کی گولی نہیں خرید سکتا۔ ہمارے ہاں پینے کا پانی صحیح قسم کا نہیں ہے۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے طلبا جہاں اور بہت سے علاقوں اور شعبوں میں قیادت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ اس سلسلے میں نہ صرف قیادت مہیا کریں گے بلکہ اس بارے میں بطور جہاد کے عمل کریں گے تاکہ پاکستان کے عوام خواہ وہ دیہات کے اندر رہیں، خواہ شہروں میں، انہیں ضروری Medical Facilities مہیا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ بالکل متفق ہوں کہ ہمارے Post Graduate تعلیمی اداروں کو ان کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیئے اور اس سلسلے میں، میں خود بھی کوشش کروں گا اور آپ کے ادارے سے بھی گزارش ہے کہ آپ اپنے مذاکرات کے ذریعے اس چیز کی بھی نشاندہی کریں کہ Post Graduate Colleges. یا Institutes کو کس طریقے سے اور زیادہ مستحکم بنایا جا سکتا ہے یا ان کو کیا امداد دی جا سکتی ہے۔ طلبا اور طالبات کی

کارکردگی کو سراہنے کے لئے میں ڈاکٹر صاحب کی تجویز منظور کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میڈیکل کالج میں سے آخری سال ایک اچھے طالب علم اور ایک اچھی طالبہ کو فیڈرل حکومت کے خرچے سے اعلیٰ تعلیم، خواہ وہ پاکستان میں ہو یا باہر، دینے کا بندوبست کیا جائے گا۔ (تالیاں) اور میں ان سے یہ بھی توقع کروں گا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد پاکستان واپس آئیں (تالیاں)۔

اس کے ساتھ ساتھ میں اور بہت سی چیزوں کا اعلان کر سکتا تھا، مثلاً کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کو جن مسائل کا سامنا ہے ان کو کس طریقے سے دور کیا جا سکتا ہے لیکن میں آپ کے سامنے ڈاکٹر سیال صاحب کی تعریف ضرور کرنا چاہتا ہوں جس وقت مجھے یہاں آنے کی دعوت دی گئی تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب مسائل بتایئے کہ کیا ہیں کیونکہ میں نے ان سے کہا کہ میں ابھی چند دن ہوئے راولپنڈی میڈیکل کالج گیا۔ وہاں ان کی کچھ تھوڑی تکالیف دُور کیں۔ ڈاکٹر افتخار صاحب نے لاہور میڈیکل کالج میں مدعو کیا۔ کچھ وہاں میں نے تقریر کی، کچھ ڈاکٹر صاحب سے شعر و شاعری سنی، کچھ میں نے اپنی کہانی کہی، اور یہ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ڈاکٹروں میں بھی بہت سے زندہ دل لوگ ہیں۔ زندہ دل ہونے کے علاوہ آپ کے اندر تو وہ ہنر موجود ہے۔ آپ نے دیکھا ابھی ہمارے ڈاکٹر حافظ صاحب نے کس طریقے سے قرآن کی آیات کی تلاوت کیں، اس پر ہم سب کو فخر ہونا چاہیئے۔ آپ کے شعبے کے اندر نہ صرف ڈاکٹر ہی موجود ہیں بلکہ وہ اصحاب بھی موجود ہیں جو قرآن کے حافظ ہیں۔ وہ اصحاب بھی موجود ہیں جن کی شعر و شاعری کے ساتھ اُلفت ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے معلوم ہے ڈاکٹروں کے درمیان کرکٹرز بھی ہیں، ٹینس پلیئرز بھی ہیں اور فوٹوگرافر بھی ہیں۔ بہت سے تعلیم کے باقی شعبوں کے ساتھ بھی ان کا تعلق ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے جب ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب بتایئے کہ تکالیف کیا ہیں کیونکہ لوگ کہیں گے کہ بھئی

اس شخص کو سوائے میڈیکل کالج میں جانے کے اور کوئی کام ہی شاید نہیں ہے (قہقہے) میں اس سلسلے میں ضرور ان کی تعریف کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جناب کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کو کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہمارے جو مسائل ہیں وہ ہم خود حل کریں گے۔ (تالیاں) لیکن انہوں نے یہ ضرور کہا کہ ہم آپ کو اپنے اس Function میں اس تقریب میں آنے کی دعوت دینا چاہتے ہیں کیونکہ یہ ایک خصوصی تقریب ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا انتظام، اہتمام کالج کے فارغ التحصیل طلبا نے کیا ہے اور ان میں سے بہت سی تعداد North America سے یہاں تشریف لائی ہے۔ اور ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ بجائے اس کے کہ میں ایک کالج کی طرف آپ کی توجہ دلاؤں، میں پورے میڈیکل شعبے کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے میں ڈاکٹر صاحب کا مشکور ہوں اور ان کی تجویز کے مطابق، بجائے اس کے کہ میں ان مسائل کا حل پیش کروں، میں ان کی تجویز سے متفق ہوں اور وہ تجویز کمیشن مقرر کرنے کی ہے حالانکہ پاکستان میں یہ سلسلہ رہا۔ اس کی طرف میں آپ کی توجہ ضرور دلانا چاہتا ہوں کہ اگر کسی مسئلے کو کھٹائی میں ڈالنا ہو تو کمیشن بٹھا دیجئے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اس کمیشن کا اعلان جو میں ڈاکٹر صاحب کی تجویز کے مطابق کر رہا ہوں، اس سے کچھ عمدہ نتائج نکلیں گے۔ میں ڈاکٹر صاحب کی اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں، لیکن گزشتہ تین روز سے اس چیز کی طرف میرا دھیان رہا ہے، میں نے لوگوں سے اس مسئلے پر بحث بھی کی ہے۔ کچھ ان کے خیالات سنے۔ میں نے کہا کہ بتائیے بھئی Medical Association میں ایک Medical Commission بٹھا رہا ہوں۔ بتائیے اس کا چیئرمین کون ہونا چاہیئے کہ وہ Non Official ہو۔ تو جن حضرات سے میں نے رابطہ قائم کیا تھا، انہوں نے بھی کہا کہ جناب مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے کیونکہ اگر ایک کا نام لیتے ہیں تو ان کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے بھی آئیں گے۔ اگر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں تو ان کے ساتھ نام لینے والے نہیں آئیں گے۔ اس لئے میں اس کے لئے بھی ایک کمیٹی

مقرر کرتا ہوں۔ (قہقہے) میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کی Alum Nae سے درخواست کروں گا کہ وہ ڈاکٹر سیال صاحب کے ذریعے اس کمیشن کے ارکان کی سفارش کریں تاکہ کل میں اس کمیشن کا اعلان کر سکوں اور اس کمیشن کا کام ہی یہ ہوگا کہ وہ میڈیکل شعبے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے، خاص طور پر تعلیمی پہلو خواہ اس کے اندر FSc کے کورس کا تعلق ہو، خواہ اس کے اندر پانچ سالہ میڈیکل کالج کے کورس کا تعلق ہو اور خاص طور پر اس چیز کی طرف نشاندہی کریں کہ موجودہ Medical Colleges کی تکالیف کس طرح دور کی جائیں۔ میڈیکل Institutes اور میڈیکل Posts کی کس طریقے سے مشکلات حل کی جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ اگلے پانچ سال کے دوران پاکستان کی حکومت کو جس میں صوبائی حکومتیں بھی شامل ہیں، وہ کیا کیا اقدامات کرنے چاہئیں جن سے کہ میڈیکل کے شعبے کے اندر ترقی ہو اور آپ کے مسائل میں کمی پیدا کی جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے No Objection Certificate کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس سلسلے میں مَیں ان کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس چیز کے متعلق ہم نے کچھ عرصے پہلے کچھ احکامات جاری کئے تھے۔ ان کے ذریعے سے جو نئی پالیسی ہے اس میں دیکھئے کہ No Objection Certificate ایک قسم کی Hurdle ہے اور یہ Hurdle ہم نے خود پیدا کی ہے کیونکہ ہمارے ہاں اگر آپ آج اجازت دیں اور چونکہ پاکستان کی ایک بہت بڑی تعداد پاکستان کے باہر خدمات انجام دے رہی ہے، اس لئے Foreign Exchange کا حاصل کرنا بھی آج کل کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن میں آپ کو یہ بھی بتاتا ہوں کہ پاکستان میں جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ ایک صاحب ایسے ہیں جو سردیوں میں یہاں آیا کرتے تھے، اب گرمیوں میں آنا شروع کیا ہے لیکن پاکستان کے بہت سے خاندان ایسے ہیں جو گرمیوں میں صرف سیر و تفریح کے لئے بال بچوں کے ساتھ بیرونی ملکوں میں جاتے ہیں۔ ان کے پاس اتنا مال یا اتنی آمدن ہے کہ وہ بڑی آسانی سے جا سکتے ہیں، ہمیں اس سے کوئی اعتراض نہیں، لیکن ہر شخص کے لئے باہر جانے میں کچھ نہ کچھ تھوڑی

سی رکاوٹ ضرور ہونی چاہیئے کیونکہ پاکستان کے پاس اتنا زرِ مبادلہ نہیں ہے ۔یا تو آپ یہ کہیں کہ بھئی ٹھیک ہے جسکی مرضی ہے چلا جائے،ہمارے پاس زرِ مبادلہ نہیں ہے،لیکن اگر آپ ایک اصول بناتے ہیں تو اس اصول کو پورا کرنے کے لئے ہم نے موجودہ پالیسی کے تحت دو اصول بنائے ہیں۔ میں نے جو ہدایات جاری کی ہیں جن کے اُوپر عمل ہو رہا ہے وہ یہ ہیں کہ خاص طور پر

Doctors, Engineers, Scientists, Journalists اور Educationists

ان پانچ Categories کے لئے ہم نے یہ کیا ہے کہ جس وقت ،جب بھی چاہیں باہر جا سکتے ہیں۔ صرف اپنے ادارے سے کیبنٹ سیکرٹریٹ کو اطلاع دے دیں۔کوئی اور ان کو تیسرا کام کرنے کی ضرورت نہیں اور پاکستان کے موجودہ احکامات کے ذریعے جو زرِ مبادلہ ان کے لئے بنتا ہے،وہ انہیں دے دیا جائے گا۔اس کے ساتھ ہم نے یہ بھی کہا ہے کہ ان اشخاص میں سے کوئی صاحب ،جن کو باہر سے دعوت نامہ ملے ،ان کو صرف اطلاع دینے کی ضرورت ہے اور کوئی کارروائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ جس وقت بھی جس تقریب میں جانا چاہیں ، بڑے شوق سے جا سکتے ہیں ۔ (تالیاں) اس کے ساتھ ساتھ ہم نے یہ بھی کہا ہے کہ جن صاحب کو باہر سے دعوت نامہ ملے،جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس باہر زرِ مبادلہ حاصل کرنے کے ذرائع ہیں اور وہ یہ کہہ دیں کہ مجھے پاکستان سے زرِ مبادلہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے،ان کو بھی فوراً جانے کی اجازت ملے گی۔اس کے ساتھ ساتھ ——— اسی حکم کی رُو سے ہم نے اس چیز کا بھی Provision رکھا ہے کہ جو اصحاب باہر Study Leave پر جانا چاہیں،ان کے لئے خاص رعایت دی گئی ہے اور اس میں رعایت یہ ہے کہ اگر وہ سرکاری ملازم ہیں تو ان کو چھٹی دی جائے گی۔چھٹی لینے کے ساتھ ساتھ اگر ان کو کچھ زرِ مبادلہ کی ضرورت ہو تو اگر پورا نہیں تو اس کی تعلیم کا کچھ زرِ مبادلہ ان کو دیا جائے بشرطیکہ وہ گارنٹی مہیا کر سکیں کہ وہ واپس ضرور آئیں گے کیونکہ میں آپ سے غلط نہیں کہہ رہا ہوں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی بہانے سے جانے

کے بعد پھر واپس تشریف نہیں لاتے۔ ویسے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص واپس آئے اگر کوئی باہر جانا چاہتے ہیں ملازمت کے سلسلے میں، تعلیم کے سلسلے میں، بڑے شوق سے جائیں لیکن میری استدعا یہ ہے کہ آپ کے ذمّے ملک کے کچھ فرائض ہیں۔ ایک ڈاکٹر یا بچّے کو یا بچی کو تعلیم دینے کے لئے آج کل موجودہ حساب سے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ حکومت خرچ کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے والدین نے جو آپ پر خرچ کیا ہے وہ علیحٰدہ ہے۔ اگر یہ تمام اخراجات صرف اس لئے ہوں کہ ہم آپ کو یہاں سے ایک ڈاکٹر بنا کر، باہر والے ملک کو ایک شخص کی شکل میں ایک ڈاکٹر پیدا کر دیں تو میرے خیال میں نہ صرف پاکستان کے لئے نامناسب ہے بلکہ یہ کسی معاشرے کے لئے بھی نامناسب ہے۔ میں آپ کے اس مذاکرے سے توقع کروں گا کہ آپ جب Up to date in Medicine and Surgery کے متعلق تقاریر کرتے ہیں یا آپ مذاکرات میں حصّہ لیتے ہیں یا آپ اس کے اوپر بحث اور مباحثہ کرتے ہیں تو میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر Organising Committee نے اس طرف توجہ نہ دی ہو تو اب توجہ ضرور دیں کہ تمام مذاکرات، تمام بحث و مباحث کی جو تفصیل ہے اس کو ریکارڈ کیا جائے۔ اس کے اوپر آدمی مقرر کئے جائیں جو ان کو کاغذات پر قلمبند کریں اور اس کے بعد پاکستان کے باقی Colleges کی مدد کے لئے اس کی اشاعت کی جائے۔ اس کی چھپائی اور اشاعت پر جو اخراجات آئیں گے وہ میں دوں گا۔ (تالیاں)

میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے پرنسپل، اساتذہ، طلبا، فارغ التحصیل طلبا اور Alum Nae کا خاص طور پر مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اس تقریب میں مدعو کر کے میری عزّت افزائی کی اور مجھے یہ موقع دیا کہ میں پاکستان کے ایک اچھے اور محب الوطن ادارے کے ایک حصّے سے مخاطب ہو کر ان کی توجہ اس طرف دلاؤں کہ ان پر پاکستان کے کچھ فرائض ہیں۔ ان پر کچھ انسانی ذمہ داریاں ہیں۔ ان پر کچھ اسلامی فرائض ہیں۔ مجھے امید ہے کہ

جہاں آپ اور بہت سے قوم کی خدمت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں وہاں آپ اس طرف بھی توجہ فرمائیں گے اور اس مذاکرے اور اس تقریب کے بعد ایسے نتائج نکلیں گے جن سے نہ صرف پاکستان کی میڈیکل تعلیم میں اور پاکستان میں ڈاکٹر صاحبان کی معلومات میں اضافہ ہوگا بلکہ اس سے پوری قوم اور پورے ملک پر ایسا اثر پڑے گا جس میں فوقیت کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کو حاصل رہے گی۔ میں آپ کا مشکور ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

اشاریہ

شائع کردہ
محکمۂ فلم و مطبوعات
وزارتِ اطلاعات و نشریات
حکومتِ پاکستان،
اسلام آباد

برق سنز پرنٹرز لمیٹڈ۔ اسلام آباد